Feb 2018

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

حضرت حسین بن منصور حلاج
اور
امام احمد رضا قدس سرہما

اسلاموفوبیا اور مسلمانان عالم

قوانین اسلام پر انگشت نمائی

اردو علامات ومخففات

وعظ وبیان
اور خانقاہوں کی شرعی
اصلاح

Rs 20

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT

Monthly

جمادی الاولیٰ وجمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ | جلد ۳ | شمارہ نمبر: ۲۹ | February-2018

مجلسِ ادارت

- ڈاکٹر سجاد عالم رضوی کلکتہ
- ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ممبئی
- مولانا کوثر امام قادری
- ڈاکٹر امجد رضا امجد پٹنہ
- ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی دہلی

مدیر اعلیٰ

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

مدیر : طارق انور مصباحی
9916371192

معاون مدیر: ازہار احمد امجدی ازہری

آفس انچارج : حافظ محمد کمیل امجدی
8090753792

پبلیشر : محمد قاسم مصباحی قادری

مجلسِ مشاورت

- مفتی قمر الحسن بستوی امریکہ
- ڈاکٹر غلام زرقانی قادری
- مولانا نظام الدین مصباحی بولٹن
- ڈاکٹر شفیق اجمل بنارس
- مولانا محمد فاضل مصباحی سنبھل
- مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی

ایک شمارہ کی قیمت 20 روپے، سالانہ زرتعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر، خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighamesshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighamesshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔ ۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

۱	اداریہ	ڈاکٹر امجد رضا امجد (پٹنہ)	5
۲	مشکل احادیث اور ان کا حل	مولانا کوثر امام قادری (مہراج گنج)	7
۳	اِصلاحِ عقائد و اعمال	مفتی منیب الرحمٰن (کراچی)	10
۴	امام احمد رضا اور اکابر امت کا دفاع	مفتی فیضان المصطفٰے قادری (امریکہ)	18
۵	شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض و نقد	مفتی ازہار احمد امجدی ازہری (بستی)	23
۶	اسلاموفوبیا اور مسلمانان عالم	مولانا سید شہباز اصدق (سہسرام)	27
۸	اردو علامات و مخففات	مولانا حسان المصطفٰے قادری (گھوسی)	33
۹	علوم عصریہ اور اسلاف کرام	طارق انور مصباحی (کیرلا)	38
۱۰	خضر راہ: آئینہ: تبصرہ بر ماہنامہ پیغام شریعت	نعمان احمد حنفی (پٹنہ)	46
۱۱	قوانین اسلام پر انگشت نمائی	طارق انور مصباحی (کیرلا)	51
۱۲	باغ و بہار	طلبہ و طالبات	53

نوٹ

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل اور ہمارے ذمہ داراں

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ (پٹنہ)

ہندوستانی مسلمانوں کی صورت حال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ برسر اقتدار طبقہ جس فسطائی ذہنیت کا شکار ہے، اس کے اثرات عوام تک پہنچ چکے ہیں اور ہر دن کوئی نہ کوئی سانحہ ایسا کھڑا ہوتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم مخالف زہر کتنی تیزی سے اس ملک میں پھیل رہا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ مسلم مخالف ذہنیت کا مظاہرہ بند کمروں میں نہیں، عام اجلاس میں ہو رہا ہے، اور اشاروں کنایوں میں نہیں، کھلے الفاظ میں۔ بعض چینل اسی کام پر مامور ہیں اور بعض نیوز چینل ایسے ایسے موضوعات پہ ڈی بیٹ کرا رہے ہیں، جس سے دو طبقوں کے درمیان منافرت میں شدت آئے، اور پھر پوری فضا فساد کی لپیٹ میں آجائے۔ اس فساد سے انہیں دو فائدے مقصود ہیں۔ ایک اپنی مسلم دشمنی کا مظاہرہ اور دوسرے ۲۰۱۹ء کے الیکشن میں مسلم مخالف ووٹ کو اپنے کھاتہ میں ڈالنا۔ اس معاملہ میں ملک کا خواندہ طبقہ بھی ان کی فکر سے علیٰحدہ نہیں، گویا ہندوستانی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی پوری تیاری ہے، اور یہ کوشش ہر آن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس مسلم مخالف جدوجہد میں ہم نے اب تک کیا کھویا اور کیا کھونے کے دہانہ پہ ہیں، اس احساس فکر سے بھی ہم ابھی تک محروم ہیں۔ قومی سطح سے لے کر جماعتی سطح تک ہماری بے حسی تاریخی اور اپنے ہاتھوں اپنا خون کرنے کے مترادف ہے۔

ایسا بھی نہیں کہ ہم میں حرکت نہیں، جمود ہے۔ ہم کوشاں و جویاں نہیں، قانعِ یک نانِ سوختہ ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ ناسازگاری حالات نے رسالوں کی اشاعت کو مسئلہ بنا دیا اور کتابوں کی طباعت کی فکر میں ہم جاں بلب ہو گئے۔ وہ گھڑی بھی نہیں آئی کہ حالات نے ہمارے ہاتھوں سے ''لوح و قلم'' چھین لیا اور ہم ''خون دل میں انگلی ڈبونے'' پہ مجبور ہو گئے۔ قلم آج بھی رواں دواں ہے۔ رسالے آج بھی مطالعہ کی زینت بن رہے ہیں۔ کتابیں آج بھی شائع ہو رہی ہیں۔ مجلسیں آج بھی گرم ہیں، مگر دیانت داری سے بتایا جائے، اس میں کتنا حصہ قومی مسائل کا ہے؟ کتنا جماعتی المیہ کا اور کتنا حصہ ذاتی مخاصمت کا؟

اگر حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ قومی و ملی مسائل پہ سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کا کوئی قابل ذکر مظاہرہ ہمارے یہاں نہیں ہوا۔ جماعتی مسائل پہ بھی ایسا کام خال خال ہے، جو جماعتی حریف کے مقابلہ میں ہو۔ ہاں جماعت میں شبخوں مارنے والوں کے خلاف ہماری کوششیں ضرور صرف ہوئی ہیں، مگر اس خانہ جنگی میں ملنے والی کامیابی بھی دراصل شکست ہے کہ دونوں طرف سے انگ اپنا ہی کٹا اور خسارہ اپنا ہی ہوا۔ گویا اپنی جماعتی جدوجہد کا کل اثاثہ مار آستین کی سرکوبی ہے اور بس، مگر قابل غور پہلو یہ ہے کہ کیا صرف یہی زمانہ کی پکار اور حالات کا تقاضا ہے؟ کیا اس سے ملک کے متشدد طبقے کی منفی ذہنیت کا ازالہ ہو گیا؟ کیا اسلام پہ منڈلاتے ہوئے تاریک سائے معدوم ہو گئے؟ کیا اپنی نسلوں کو پرسکون مستقبل دینے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا؟

اپنی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جس وقت صحابہ کرام، کلمہ پڑھنے والے منکرین زکوٰۃ سے لڑ رہے تھے، اسلام اس وقت بھی آگے بڑھ رہا تھا۔ جنگ صفین اور جنگ جمل کے وقت بھی اسلام کی حدیں وسیع ہو رہی تھیں۔ اندرون خانہ حق سمجھ کر آپس میں لڑی جانے والی جنگوں

کے باوجود اسلام کی فصلیں ماورائے عرب لہرا رہی تھیں۔اس آپسی اجتہادی تنازع میں بڑے مقصد سے انہوں نے کبھی صرف نظر نہیں کیا، بلکہ اپنی ''قوت عشق سے ہر پست کو بالا'' کرتے رہے۔تاریخ کی اس سچائی کے باوجود ہم نے اپنی وہ روش ترک کردی، اپنے اسلاف کا سبق بھلا دیا اور دانستہ وہ راہ اپنائی جس میں کچھ بخیر تو ہے، سب بخیر نہیں ہے۔یہی وجہ ہے آج ہمارے ملک میں ہمارا وجود، اسلامی آئین، بلکہ رب کا پسندیدہ مذہب ''اسلام'' کی بقا خطرے میں ہے۔اور اس کے ذمہ دار کہیں نا کہیں ہم بھی ہیں۔ملک میں اس وقت خدمات واثرات کے اعتبار سے اہل سنت کے چار بڑے روحانی مراکز ہیں۔کچھوچھہ، مارہرہ، بریلی اور اشرفیہ مبارک پور۔ان تمام کا اپنا اپنا حلقہ اثر ہے۔معاشرہ مزاج ابھی مشربی پیشواؤں کے اشارۂ ابرو کا تابع ہے: یعنی

تری نگاہ پہ قائم ہے زندگی کا نظام اٹھے تو صبح درخشاں جھکے تو ظلمت شام

گر ان کی توجہ ان مسائل کی طرف ہو جائے تو میخانہ کا بگڑا ہو نظام سنور جائے۔سسکتی ہوئی زندگی کو تسکین اور تاریکی میں لڑکھڑاتے قدم کو استحکام مل جائے۔یقیناً ان کا اٹھایا ہوا ایک انقلابی قدم جھلملاتی ہوئی شمع امید کو یقین محکم کا اجالا اور یاسیت وقنوطیت زدہ انسانوں کو انقلاب آفریں عزم وحوصلہ دے سکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس سنگین صورت حال میں ان مراکز سے کوئی اقدامات نہیں ہوئے۔نہ مرکزی سطح کی کوئی تنظیم سامنے آئی، نہ کوئی مشترکہ تحریک چلائی گئی، اور نہ ایسا لائحہ عمل طے کیا گیا جس سے بپھرے ہوئے حالات پہ قابو پانے کی سعی کی جاتی۔ایک پر ہول خاموشی ہے جس سے وحشت ومرعوبیت کی گھٹا ٹوپ تاریکی بڑھتی جارہی ہے۔ظالموں کے حوصلے بلند ہو رہے ہیں اور مظلوموں کی چیخیں۔

کبھی وندے ماترم کا مسئلہ چھیڑا جاتا ہے تو کبھی بھارت ماتا کی جے کا شوشہ۔کبھی قربانی گاؤ مسلمانوں کی قربانی کا ذریعہ بنتا ہے تو کبھی مسلمانوں کی افزائش نسل بحث کا موضوع۔کبھی یکساں سول کوڈ کے ذریعہ ہمیں ہراساں کیا جاتا ہے تو کبھی تین طلاق کے بہانے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی کوشش۔ان تمام سانحات سے نپٹنے کے لیے ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو وہ آئین ہند کی دفعہ ۲۵ میں ملی آزادی۔ہم ہر معاملہ میں قانون کی اسی شق کا سہارا لیتے ہیں کہ ہمارے تحفظات کا محور یہی ہے، مگر ہماری بے حسی اور خود فریبی و پراسرار خاموشی سے ایسا منحوس دن بھی آسکتا ہے کہ اس قانون کے خلاف کوئی قانون لانے کی سعی کی جائے، پھر ہم اس ملک میں 2:نمبر کے شہری ہو کے رہ جائیں، جس ملک کی آزادی میں ہمارے علما نے اپنی جانون کی قربانیاں دیں، انہیں تختہ دار پہ چڑھایا گیا، کالا پانی کی سزائیں جھیلنی پڑیں، ان کے املاک تباہ کئے گئے اور سروں کی قیمتیں لگائی گئیں۔

اگر ہم نے ان حالات میں اپنی صفوں میں اتحاد اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں کیا تو دشمن ملک کے خلاف لڑنے کے لیے میزائل دینے کے باوجود ہم اجنبی بنا دیئے جائیں گے، اور دشمن کا ٹینک توڑنے کے باوجود ہمیں ملک کا باغی گردانا جائے گا۔ان حالات میں اگر ہمارے یہ مراکز اپنی پیشوائی کا فریضہ انجام دیں تو مسلمانوں کے ٹوٹتے ہوئے حوصلے بچ سکتے ہیں، اور انہیں مرعوبیت اور احساس شکست کے بھنور سے نکالا جاسکتا ہے۔ضرورت ہے کہ جماعت اہل سنت کا کوئی مرد میداں ان مراکز کے ذمہ داروں کے ساتھ ایک نشست کرے، باہمی اتفاق سے ملکی سطح کی کوئی تنظیم بنا کر کام شروع کرے۔

اکابرین نے بھی جماعت رضائے مصطفٰے، آل انڈیا تبلیغ سیرت، مسلم پرسنل لا کانفرنس، مسلم متحدہ محاذ جیسی تنظیمیں قائم کی تھیں۔ان میں تمام عظیم خانقاہوں کے منسلکین اور عظیم مدارس کے فارغین شامل تھے۔انگریزوں کے عہد میں شدھی تحریک کے بالمقابل ''جماعت رضائے مصطفٰے'' کی قربانیاں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔جماعت رضائے مصطفٰے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز.....(بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

چودھویں قسط

مشکل احادیث اوران کا حل

از: مولانا کوثر امام قادری: مہراج گنج (یوپی)

اشعار خوانی

{عن سعد رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لان یمتلئ جوف احدکم قیحا یریہ خیر من ان یمتلئ شعرًا} (مسلم: کتاب الشعر)

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے، تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھر جائے۔

{عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال: بینا نحن نسیر مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالعرج اذعرض شاعر ینشد فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: خذوا الشیطان او امسکوا الشیطان، لان یمتلئ جوف رجل قیحا خیر لہ من ان یمتلئ شعرًا} (مسلم: کتاب الشعر)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرج جارہے تھے، سامنے سے ایک شاعر شعر پڑھتا ہوا آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان کو پکڑ لو، یا فرمایا: شیطان کو روک لو، انسان کے پیٹ میں پیپ بھرنا شعر بھرنے سے بہتر ہے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری روایتوں سے پتہ چلا کہ اشعار خوانی انتہائی معیوب چیز ہے، لیکن حسب ذیل روایتیں اس کے خلاف ہیں:

{عن عمرو بن الشرید عن ابیہ قال: ردفت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یومًا فقال: ھل معک من شعر امیۃ بن ابی الصلت شیئا؟ قلت نعم. قال: ھیہ، فانشدتہ بیتا، فقال: ھیہ ثم انشدتہ بیتا، فقال: ھیہ حتی انشدتہ مائۃ بیت} (صحیح مسلم کتاب الشعر)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شرید اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار ہوا۔ آپ نے فرمایا کیا تم کو امیہ بن ابی صلت کے اشعار میں سے کچھ شعر یاد ہیں؟ میں نے کہا: جی! آپ نے فرمایا: سناؤ، میں نے ایک شعر سنایا، آپ نے فرمایا: اور سناؤ، میں نے ایک شعر اور سنایا، آپ نے فرمایا: اور سناؤ، حتی کہ میں نے ایک سو اشعار سنائے۔

حل اشکال

شرح معانی الآثار اور صحیح مسلم ودیگر کتب حدیث میں دونوں قسم کی روایت بکثرت ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی قسم کی روایتوں سے اشعار خوانی کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے، جب کہ دوسری قسم کی روایتیں جواز و استحسان پر دلالت کر رہی ہیں۔ اس طرح بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ رفع تعارض کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ جن روایتوں میں اشعار کی ممانعت ہے، ان میں اشعار

سے مراد برے مضامین، جھوٹے مفاہیم، عقیدہ وایمان کے خلاف باتوں پر مشتمل اشعار ہیں اور جن میں جواز کا ذکر ہے، ان سے مراد وہ اشعار ہیں، جن میں علم وحکمت کی باتیں، توحید ورسالت کے فضائل ومناقب یعنی اچھے مطالب پر مشتمل اشعار مراد ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں: امیہ کے اشعار میں چونکہ وحدانیت ہے، اور بعث بعد الموت کا مفہوم ہے، اس وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اشعار کی تحسین کی، اور ان اشعار کو سننے کی فرمائش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن اشعار میں بے حیائی کی باتیں نہ ہوں، ان کا پڑھنا اور سننا جائز ہے۔ خواہ زمانہ جاہلیت کے اشعار ہوں یا نہ ہوں۔ اور اس قسم کے اشعار میں بھی بکثرت مشغول رہنا درست نہیں، البتہ معمولی تعداد میں اشعار پڑھنا، سننا اور ان کو یاد رکھنا جائز ہے۔

کسی شخص کے پیٹ میں پیپ بھر جانا، اشعار بھر جانے سے بہتر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے اوپر شعر وشاعری کا تناغلبہ ہوجائے، جو اس کو علوم شرعیہ کی تحصیل اور یاد الٰہی سے غافل کردے، خواہ اشعار کسی قسم کے ہوں، اور اگر اس پر قرآن، حدیث اور دیگر علوم شرعیہ کا غلبہ ہو اور تھوڑے سے اشعار بھی یاد ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بعض علما نے ان روایتوں سے استدلال کیا ہے کہ شعر پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ ان میں کوئی بے حیائی نہ ہو، لیکن جمہور علما نے یہ کہا ہے کہ اگر اشعار میں بے حیائی کی باتیں نہ ہوں، تو پھر ان کا پڑھنا جائز ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ اچھے اشعار کا پڑھنا، اچھا ہے اور برے اشعار کا پڑھنا برا ہے، کیوں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سفر اور غیر سفر میں صحابہ کرام کے سامنے اشعار سننے کی فرمائش کی، اور مشرکین کی مذمت میں حضرت حسان بن ثابت کو اشعار پڑھنے کا حکم دیا۔ خلفائے راشدین، اعاظم صحابہ، ائمہ سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ مطلقاً شعر پڑھنا مذموم ہے، بلکہ یہی کہا ہے کہ جن اشعار میں فحش مضمون ہو، وہ مذموم ہیں۔ (شرح مسلم، ج۲، ص۲۴۰)

حضرت امام طحاوی نے جواز اشعار پر متعدد روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

{فلما جاء ت هذه الأثار متواترة باباحة قول الشعر ثبت ان ما نهٰى عنه فى الاثار الاول، ليس لان الشعر مكروه ولكن لمعنى كان فى خاص من الشعر قصد بذلك النهى اليه} (شرح معانی الآثار، باب روایۃ الشعر)

ترجمہ: پس جب ان متواتر روایات میں شعر کہنے کا جواز ہے، تو ثابت ہوا کہ یہاں روایات میں جو ممانعت ہے وہ اس لیے نہیں کہ شعر کہنا مکروہ ہے، بلکہ وہ اس خصوصیت کی وجہ سے ہے جو شعر میں پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے منع فرمایا۔

باپ اپنی اولاد کے مال کا مالک

{عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه ان رجلًا جاء الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ان لى مالا وعيالا وان لابى مالا وعيالا وانه يريد ان يا خذ مالى الٰى ماله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :انت ومالك لابيك} (شرح معانی الآثار/طحاوی، باب الوالد ہل یملک مال الولد ام لا؟)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے پاس مال بھی ہے اور میں عیالدار بھی ہوں، اور میرے والد کے پاس بھی مال وعیال ہے۔ وہ میرا مال اپنے مال کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے

کے پاس جو کچھ ہے، وہ اس کے باپ کا ہے،اور اس کا باپ اپنی اولاد کی ساری کمائی کا مالک ہے، جب کہ دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔

{عن عبد اللّٰہ بن عمر وبن العاص رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لرجل :امرت بیوم الاضحی عید جعلہ اللّٰہ لھذہ الامۃ،فقال الرجل افرایت ان لم اجد الامنیحۃ ابنی افا ضحی بھا؟قال:لا،ولکنک تاخذ من شعرک واظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فذلک تمام اضحیتک عند اللّٰہ}(شرح معانی الآ ثار/طحاوی، باب الوالد ہل یملک مال الولدام لا؟)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: مجھے قربانی کے دن کو عید بنانے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لیے عید بنایا ہے۔ اس نے عرض کیا: ارشاد فرمائیں کہ اگر میں اپنے بیٹے کی اونٹنی قربان کردوں تو کیا یہ درست ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ البتہ بال اور ناخن اتار لو اور مونچھیں کاٹ لو، زیر ناف بال صاف کرلو، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں یہی تمہاری قربانی ہے۔

حل اشکال

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ بیٹے کی ساری دولت اسی کے باپ کی ہے، جب کہ دوسری روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ایسا نہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو بیٹے کی اونٹنی قربان کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیتے۔ اب دونوں میں بظاہر تعارض سمجھ میں آتا ہے۔ اس تعارض کا حل یہ ہے کہ جس روایت میں فرمایا گیا کہ بیٹے کا مال ودولت اس کے باپ کے ہیں، تو اس روایت میں ملکیت کو ثابت کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اس میں صرف یہ بتانا ہے کہ بیٹا اپنے مال واسباب میں اپنے والدین کی مخالفت نہ کرے، بلکہ وہ اگر اس کے مال سے استفادہ کرنا چاہیں تو انہیں بخوشی موقع دے، اور ان کے حکم کو اپنے مال میں نافذ کرے۔

چنانچہ امام طحاوی فرماتے ہیں: حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی باپ کو بیٹے کی کمائی کا مالک بنانے سے متعلق نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس سلسلے میں باپ کی مخالفت کرے، بلکہ وہ اس میں باپ کے حکم کو نافذ کرے، جیسے وہ اپنی ملکیت میں نافذ کرتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا آپ نے فرمایا: **انت ومالک لابیک** (تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے) تو حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اضافت کی وجہ سے بیٹا باپ کا مملوک نہیں بنتا، اسی طرح آپ کی اس اضافت سے وہ اس کے مملوک مال کا مالک بھی نہیں بنے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے کسی کے مال نے ہرگز اتنا نفع نہیں دیا جتنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''**انما انا ومالی لک یا رسول اللّٰہ**'' بیشک میں اور میرا مال آپ ہی کا ہے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہ نہیں تھی کہ ان کا مال حضور کی ملک ہے، اور ان کی اپنی ملکیت نہیں ہے، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا حکم اس مال میں بھی اور ان کے نفس میں بھی نافذ ہے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی: کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہے (شرح معانی الآ ثار/طحاوی، باب الوالد ہل یملک مال الولدام لا؟)

☆☆☆☆

قسط پنجم

عقائد واعمال

اِصلاحِ عقائدواعمال

بعض اعتقادی اور عملی کمزوریوں کی اصلاح کی ایک مخلصانہ کوشش

از: مفتی منیب الرحمٰن (کراچی)

وعظ وبیان کی بابت شرعی اصلاح: جاہل خطبا کے ذریعہ دین کا نقصان

ایسے خطیب اور قاری حضرات جو باقاعدہ عالم نہیں ہیں، دین کے لیے نقصان کا سبب بن رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿سَیَاْتِیْ عَلٰی اُمَّتِیْ زَمَانٌ یَکْثُرُ الْقُرَّاءُ وَیَقِلُّ الْفُقَهَاءُ وَیُقْبَضُ الْعِلْمُ وَیَکْثُرُ الْهَرْجُ﴾

ترجمہ: میری امت پر جلد ہی ایسا وقت آئے گا کہ اس زمانے میں قاری کثرت سے ہوں گے، فقیہ کم ہوں گے، علم اٹھالیا جائے گا اور فسادات پھیل جائیں گے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۰۴۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۲۷۷، مجمع الزوائد: ۸۸۹)

امیر المومنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واعظ سے دریافت فرمایا: کیا تم ناسخ ومنسوخ کا علم جانتے ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ﴿فَاخْرُجْ مِنْ مَسْجِدِنَا وَلَا تُذَکِّرْ فِیْهِ﴾ (کنز العمال حدیث: ۲۹۴۳۵)

ترجمہ: ہماری مسجد سے نکل جا اور یہاں وعظ مت کر۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں قادری قدس سرہ العزیز سے سوال ہوا: ایک شخص اسلام وایمان وشرع شریف کے احکام کو جانتا ہے، وہ لوگوں کو ﴿فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی﴾ کے تحت گناہ سے بچنے کی تلقین کرسکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا: اگر عالم ہے تو اس کا یہ منصب ہے، اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں، وہ جتنا سنوارے گا، اس سے زیادہ بگاڑے گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۷۱۷)

غیر عالم کسی مستند سنی عالم کی لکھی ہوئی کتاب سے حذف وزیادتی اور تشریح کے بغیر دیکھ کر درس دے سکتا ہے۔ درحقیقت یہ اس کا وعظ نہیں، بلکہ اس سنی عالم کا وعظ کہلائے گا، لیکن اگر وہ اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی یا زیادتی کرتا ہے تو یہ اس کا وعظ کرنا کہلائے گا، اور جاہل کا وعظ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے جاہل خطیبوں کا شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک گروہ دوسرا ہے جو وعظ وتذکیر کی اصل منہاج سے انحراف کرچکا ہے، اس زمانے کے سارے واعظین اس میں مبتلا ہیں، سوائے اُن نادر اہل علم کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس شرورِ نفس سے محفوظ فرمالیا ہے۔ آگے چل کر امام غزالی مزید لکھتے ہیں: ان چند مستثنیات کے سوا ہوسکتا ہے کہ ملک کے بعض علاقوں میں ایسے پاکیزہ نفوس لوگ موجود ہوں، لیکن ہمیں اُن کا علم نہیں ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۴۸۶)

یہ امام غزالی علیہ الرحمۃ وارضوان کے دور کا حال ہے۔ اس سے اپنے دور کا اندازہ لگالیجیے، کسی نے سچ کہا ہے: قیاس کُن زِگلستانِ مَن بہار مرا۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان مزید لکھتے ہیں: ان

واعظین کا ایک گروہ ایسا ہے جو نکتہ آفرینیاں کرتا ہے، ہم وزن جملے بازیوں اور تُک بندیوں سے کام لیتا ہے، الغرض ان کی ساری کاوش معنویت کی بجائے وزن بندی پر صَرف ہوتی ہے۔ وہ (عوام میں جوش پیدا کرنے کے لیے) وصال وفراق کے اشعار پڑھتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُن کی مجالس میں مصنوعی وجد اور نعرے بازی پائی جائے، خواہ یہ سب کچھ فاسد اغراض ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔ یہ انسان کے بھیس میں شیطان ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکا دیا ہے۔ گزشتہ زمانوں کے واعظین میں اگر کوئی ذاتی کمزوری بھی ہوتی تو کم از کم وہ دوسروں کی اصلاح کرتے تھے۔ شریعت کے مطابق وعظ وتذکیر کرتے، لیکن یہ لوگ تو اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن چکے ہیں اور انہوں نے اللہ کی مخلوق کو اللہ کی رحمت کے نام پر دلفریب امیدیں دلا کر دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ سو اِن کے خطاب سے سننے والوں میں گناہ پر جسارت اور دنیا کے بارے میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ (واعظوں کا یہ فریب دو آتشہ ہو جاتا ہے، خاص طور پر جب یہ) حسین وجمیل لباس اور سواریوں سے خود کو مزین کرتے ہیں۔ اگر آپ سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں تک اُن کی ہیئت کو دیکھیں تو دنیا کے بارے میں ان کی شدید حرص کا آپ کو اندازہ ہو جائے گا، پس اِن واعظین کا فساد اصلاح کے مقابلے میں زائد ہے، بلکہ درحقیقت اصلاح تو ہے ہی نہیں، یہ بڑی تعداد میں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور ان کی دھوکا بازی پوشیدہ نہیں ہے۔

(احیاء علوم الدین، ج ۳ ص ۴۸۶: دار صادر بیروت)

معراج کی شب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک منظر یہ بھی دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبان اور ہونٹ آگ کے انگاروں سے کاٹے جا رہے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا گیا: یہ آپ کی امت کے فتنہ پرور خطیب ہیں۔ ایک دوسری روایت امام ابن حبان اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معراج کی شب میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے، حالانکہ یہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے، کیا یہ عقل نہیں رکھتے۔ (الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان ج ۱، ص ۲۲۲، ۲۲۳: مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

نعت خوانی کی اجرت

نعت خوانی کو پیشہ بنانا بھی ناجائز وحرام ہے۔ حمد ونعت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تقرب اور اظہارِ محبت کا ذریعہ ہے۔ طاعات میں صرف ان چیزوں کا اجارہ جائز ہے، جن کے نہ ہونے سے دین میں حرج واقع ہو، جیسے امامت، مؤذنی، تعلیم قرآن وفقہ وحدیث وتفسیر وغیرہ۔ نعت خوانی کے ذریعے حاصل ہونے والی اجرت ناجائز وحرام ہے، اور ایسی نعت خوانی کرنے اور کروانے سے ثواب تو کُجا الٹا گناہ ہوگا۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

''زید نے جو اپنی مجلس خوانی خصوصاً راگ سے پڑھنے کی اجرت مقرر کر رکھی ہے، ناجائز وحرام ہے۔ یہ اجرت لینا اُس کے لیے ہرگز جائز نہیں اور اس کا کھانا صراحۃً حرام ہے۔ اس پر واجب ہے کہ جن جن سے فیس لی ہے، یاد کر کے سب کو واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو پھیرے، پتا نہ چلے تو اتنا مال فقیروں پر تصدق کرے، اور آئندہ اس حرام خوری سے توبہ کرے، تاکہ گناہ سے پاک ہو''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۷۲۴)

امام اہل سنت نے صرف وقت کے اجارے کی اجازت دی ہے۔

وعظ کی اجرت

اسی طرح وعظ وبیان سے مقصود اگر صرف دنیاوی مال وزر

کا حصول ہو تو ممنوع ہے، جس طرح آج کل بعض پیشہ ور مقررین وواعظین نے اپنی تقریروں کا معاوضہ مقرر کر رکھا ہے، اور پیشگی اجرت وصول کیے بغیر وہ تقریر ووعظ کے لیے کہیں نہیں جاتے۔ یہ شِعار سخت مذموم اور علمائے یہود کی صفات میں سے ہے۔ امام اہل سنت وعظ کی اجرت کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''اگر وعظ کہنے اور حمد ونعت پڑھنے سے مقصود یہی ہے کہ لوگوں سے کچھ مال حاصل کریں تو بیشک اس آیتِ کریمہ کے مصداق میں داخل ہیں اور حکم ﴿لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ (میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ وصول کرو) کے مخالف، وہ آمدنی ان کے حق میں خبیث ہے، خصوصاً جبکہ ایسے حاجت مند نہ ہوں جن کو سوال کی اجازت ہے کہ اب تو بے ضرورت سوال دوسرا حرام ہوگا، اور وہ آمدنی خبیث تر وحرام مثلِ غصب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: {مَا جَمَعَ السَّائِلُ بِالتَّکَدِّیْ فَهُوَ خَبِیْثٌ} سائل نے کدوکاوش سے جو کچھ جمع کیا، وہ مالِ خبیث ہے۔

دوسرے یہ کہ وعظ اور حمد ونعت سے ان کا مقصود محض اللہ کی رضا ہے، اور مسلمان بطور خود ان کی خدمت کریں تو یہ جائز ہے اور وہ مال حلال ہے۔ تیسرے یہ کہ وعظ سے مقصود تو اللہ ہی ہو، مگر ہے حاجت مند اور عادۃً معلوم ہے کہ لوگ خدمت کریں گے، اس خدمت کی طمع بھی ساتھ لگی ہوئی ہے، تو اگرچہ یہ صورت دوم کے مثل محمود نہیں، مگر صورتِ اُولیٰ کی طرح مذموم بھی نہیں ہے، جسے درمختار میں فرمایا: ''اَلْوَعْظُ لِجَمْعِ الْمَالِ مِنْ ضَلَالَةِ الْیَهُوْدِ وَ النَّصَارٰی''۔ مال جمع کرنے کے لیے وعظ کہنا یہود ونصاریٰ کی گمراہیوں میں سے ہے۔ یہ تیسری صورت بَیِّن بَیِّن ہے اور اول کے مقابلے میں دوسری صورت کے زیادہ قریب ہے۔ جس طرح حج کو جائے اور تجارت کا کچھ مال بھی ساتھ لے جائے جسے ﴿لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کا فضل (یعنی حلال رزق) تلاش کرو۔ فرمایا، لہٰذا فتویٰ اس کے جواز پر ہے: {اَفْتٰی بِهِ الْفَقِیْهُ اَبُو اللَّیْثِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کَمَا فِی الْخَانِیَةِ وَالْهِنْدِیَّةِ وَغَیْرِهِمَا، وَالَّذِیْ ذَکَرْتُه تَوْفِیْقٌ بَیْنَ الْقَوْلَیْنِ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْق وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ}

ترجمہ: حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان و عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے۔ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے، یہ دو قولوں کے درمیان تطبیق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۳ ص ۳۸۱ - رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سچی محبت اور خلوصِ نیت: محفل میلاد منعقد کرنے والے احباب پر لازم ہے کہ پیشہ ور نعت خوانوں اور پیشہ ور واعظین کو نہ بلایا کریں۔ مخلص واعظ اور نعت خواں وہ ہے جو یہ سعادت مند کام پیسوں کے لالچ میں نہ کرے۔

مروجہ خطابات کی اصلاح

آج کے دور کی من جملہ خرابیاں یہ ہیں:

(۱) جاہل لوگوں کا خطیب بن جانا۔

(۲) خوش آوازی اللہ کی نعمت ہے، لیکن اسے علم پر ترجیح دینا غلط ہے۔

(۳) قرآن وسنت اور مستند روایات کی بجائے موضوع روایات بیان کرنا۔

(۴) اصلاح کی بجائے عوام کی بے جا فرمائشوں کو ترجیح دینا

(۵) صرف جنت کی بشارتیں سنانا اور گناہ کی وعیدیں بیان نہ کرنا۔

(۶) منہاجِ نبوت کے خلاف وعظ کرنے والوں کا سٹیج پر بیٹھے علما کو اپنی خرافات پر گواہ بنانا اور علما کا انہیں نہ ٹوکنا۔

(۷) اگر کوئی غلط بات پر ٹوک دے تو اس کی بے جا مخالفت شروع کر دینا۔

(۸) علمی خطاب پر پیشہ ورانہ نعت خوانی کو ترجیح دینا اور دیر سے خطاب شروع کرانا۔

(۹)رات دیر گئے تک محافل کو جاری رکھنا اور صبح کی نماز سے محرومی کے اسباب پیدا کرنا۔

(۱۰)دینی محافل ومقاصد کے لیے بجلی کا غیر قانونی استعمال جائز نہیں ہے،اور اس پر اجر کی توقع کرنا عبث ہے، اس کے لیے متعلقہ ادارے سے باقاعدہ اجازت لی جائے اور ادائیگی کی جائے۔

(۱۱)عملی ومعاشرتی خرابیوں پر مشتمل موضوعات کو فراموش کرنا۔

(۱۲)علم دین کو فروغ دینے کی بجائے غیر ترجیحی امور کو فروغ دینا۔

(۱۳)نقیبِ محفل کے نام سے ایک نئے پیشہ ور طبقے کو فروغ دینا جو اپنی تُک بندیوں سے محفل کا کافی وقت ضائع کر دیتا ہے۔

(۱۴)متبادل راستہ دیئے بغیر عام گزرگاہوں پر محافل کا انعقاد کر کے لوگوں کی آمد ورفت کے حق کو تلف کرنا، اسی کو فقہ میں حقِ مرور(Right of assage) کہا گیا ہے۔

(۱۵)اسپیکر کی آواز کو ضرورت سے زیادہ بلند کرنا جس سے لوگوں کو ایذا پہنچے ،اور دلیل یہ دینا کہ کیا گانے زور سے نہیں بج رہے ہوتے۔ ایک غلطی کو دوسری غلطی کے جواز کی دلیل بنانا درست نہیں ہے،اسی کو بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَى الْفَاسِد کہتے ہیں۔

(۱۶)لاؤڈ اسپیکر پر خواتین کا نعت پڑھنا اور خطابات کرنا جو فتنے کا باعث ہوسکتا ہے،اسے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان قادری علیہ رحمۃ الباری نے ناجائز قرار دیا ہے۔البتہ خواتین کی مجلس میں خاتون مبلّغہ کا وعظ کرنا جائز ہے ،تاہم لاؤڈ اسپیکر کی آواز بقدرِ ضرورت ہونی چاہیے۔

(۱۷)بزرگانِ دین کے اعراس شریعت کے مطابق منانے کی بجائے انہیں کھیل تماشے اور میلے ٹھیلے کا رنگ دے دینا اور پیشہ ور واعظین کا جاہل وبدعمل سجادگان کی خوشامد کرنا، یہ چند امور ہیں جو خرابی کا سبب بن رہے ہیں،اوران کی اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

خانقاہ اور آستانوں کی بابت شرعی اصلاح

صوفیہ کے آستانے اور خانقاہیں اہل سنت وجماعت کے قدیم دینی ، اصلاحی اور رفاہی ادارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں آباد رکھے،مگر موجودہ حالات میں بعض آستانوں کی اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مندرجہ ذیل گزارشات پیش خدمت ہیں۔

(۱)بعض آستانوں پر اُن کے اپنے ہی مشائخ کی تعلیمات کو فراموش کر دیا گیا ہے،اور اپنے مشائخ کی تعلیمات کے برخلاف بہت سی خرافات کو رواج دیا گیا ہے۔کیا کوئی قادری کسی صحابی کی تنقیص کرسکتا ہے ؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اگر قادری حضرات حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتب کا مطالعہ کریں تو اہل سنت کے عقائد اُن پر واضح ہوجائیں گے ،خصوصاً ''الفتح الربانی ،فتوح الغیب وسرالاسرار'' کا مطالعہ اور حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ العزیز کی کتاب کشف المحجوب کا مطالعہ کرنے والا تمام صحابہ کرام بشمول سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کا احترام کرے گا۔داتا صاحب لکھتے ہیں:{يَزِيْدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ اَخْزَاهُ اللّٰهُ دُوْنَ اَبِيْهِ} یعنی یزید بن معاویہ کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے،مگر اس کے والد کو نہیں۔(کشف المحجوب صفحہ ۷۸)

نقشبندی سلسلے والے اگر مشائخِ نقشبند کی کتب خصوصاً مکتوباتِ امام ربانی کا خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے مریدوں کو بھی کروائیں تو اُن کے سلسلے سے وابستہ کوئی بھی شخص کبھی رافضی یا خارجی نہیں بنے گا۔ اسی طرح چشتی سلسلے سے وابستہ حضرات اگر اپنے مشائخ کی کتب خصوصاً سبع سنابل ،فوائد الفواد اور حضرت خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ملفوظات کا مطالعہ کریں، تو کبھی رفض میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ والرضوان کا پیروکار آپ کی کتابوں ''عقل بیدار'' اور ''نورالھدیٰ'' میں چار یار کی تصریح دیکھے گا تو ہرگز رافضیت اور خارجیت کی طرف مائل نہ ہوگا۔حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں:

از مذہبِ روافض واز ملّتِ خوارج بیزارم من کہ سنی

،دوست دارِ چہار یارم۔ ہر کہ خواہد ہر وقت مشرّف شود بدیدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابِ کبار و پنجتنِ پاک غنچہ دل شگفتہ شود و معرفتِ اللہ بہ ملازمتہ شاہ محی الدین ازیں نقش خوش ببیں۔

ترجمہ: یعنی میں مذہبِ روافض اور ملتِ خوارج سے بیزار ہوں، میں سنی ہوں، چہار یار یعنی خلفائے راشدین سے محبت کرنے والا ہوں، جو بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ،آپ کے اصحابِ کبار و پنجتن پاک کے دیدار سے مشرّف ہونا چاہے، اُس کے دل کی کلی کھل جائے گی۔

پھر آپ نے خلفائے راشدین ،حسنین کریمین ،سیدہ فاطمۃ الزہرا اور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے گرامی پر مشتمل ایک نقش بنایا اور لکھا: جو کوئی غوثِ اعظم سے وابستہ رہتے ہوئے اس نقش کو سامنے رکھے گا، اُسے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی حضوری کا شرف نصیب ہوگا۔ (عقلِ بیدار، ص ۲۰۸، ۲۰۹)

اسی طرح سہروردی سلسلے والے عوارفُ المعارف اور دیگر تصوف کی کتابوں کا درس اپنی خانقاہوں میں رائج کریں، تاکہ دین کی صحیح تعلیمات ان کے مریدین ومتوسلین تک پہنچ سکیں۔ جامی ہندی نے لکھا:

بندہ پروردگارم اُمّتِ احمد نبی
دوست دارِ چار یارم تا بہ اولادِ علی
مذہبِ حنفیہ دارم، ملّتِ حضرت خلیل
خاک پائے غوث اعظم ، زیرسایہ ہر ولی

(۲) آستانوں پر مشائخ کے صاحبزادگان اور خلفا کے لیے ضروری دینی علوم کے ساتھ ساتھ اپنے سلسلے کے اذکار و مراقبات، نفس کی اصلاح اور حصولِ استغنا کے لیے تزکیہ وتربیت کا اہتمام ضروری ہے۔ تشرع وتدین، اہلیت اور علم کے بغیر محض اولاد ہونے کی بنیاد پر خلافت اور سجادگی کی مَسند پر بٹھا دینا مقاصدِ رُشد وہدایت اور طریقت وشریعت کے خلاف ہے۔ ہمارے ہاں نفوذ کرنے والی بہت سی خرابیوں کا بڑا سبب یہی ہے۔

(۲) بعض آستانوں پر حاضر ہونے والے زائرین کی تعلیم وتربیت کا کوئی نظام نہیں۔ اعراسِ مبارکہ کی تقریبات میلوں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کو فروغ دے کر لوگوں کو اپنی عقیدت کے حصار میں رکھا جاتا ہے۔ ان آستانوں کو قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ قَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی دینی تعلیم وتربیت کے مراکز بننا چاہیے:

خوشا مسجد ومدرسہ وخانقاہے
کہ در وے بود قیل و قالِ محمد

ترجمہ: کیا ہی بات ہے اُس مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کی، کہ جہاں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ کی تعلیم دی جارہی ہو۔

آج نیرنگیِ زمانہ نے تنزلی کے اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ اہل علم کی بات تو درکنار، خود اہل تصوف اپنوں سے اِن الفاظ میں گلہ کررہے ہیں:

{کَانَ التَّصَوُّفُ فِیْمَا سَبَقَ حَقِیْقَۃً بِلَا اِسْمٍ وَالْیَوْمَ ھُوَ اِسْمٌ بِلَا حَقِیْقَۃٍ} ترجمہ: ماضی میں تصوف محض نام نہیں تھا ، بلکہ ایک حقیقتِ ثابتہ تھی ،مگر آج تصوُّف کا نام تو ہے ، حقیقت معدوم ہوچکی ہے، یعنی تصوف کی روح فنا ہوچکی ہے۔

(دُرَرُ الرَّسَائِلِ لِلْمُرِیْدِ السَّائِلُ، ص ۳۶)

بعض جاہلوں نے محض دنیا کمانے کے لیے پیری مریدی کا جعلی کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ گزشتہ دنوں سرگودھا کے نواحی علاقے میں ایک دھوکے باز پیر نے بیس افراد کو قتل کر دیا۔ اس طرح کے جعلی اور مکار پیروں کو بے نقاب کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

پیری مریدی کی شرائط اور اقسام

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان قادری قدس سرہ العزیز بیعت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول: اب مرشد کی دو اقسام ہیں:

(۱) مرشدِ عام: اس سے مراد کلام اللہ، کلام الرسول وکلامِ ائمہ شریعت وطریقت وکلام علمائے دین اہلِ رشد و ہدایت ہے۔ اس سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علما، علما کا رہنما کلام ائمہ، ائمہ کا مرشد کلامِ رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ فلاح ظاہر ہو یا فلاحِ باطن، اُسے اس مرشد سے چارہ نہیں۔ جو اس سے جدا ہے، بلاشبہ کافر ہے، یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد وتباہ۔

(۲) مرشدِ خاص: اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کسی عالم ،سنی، صحیح العقیدہ وصحیح الاعمال وجامع شرائطِ بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ یہ مرشدِ خاص جسے پیر وشیخ کہتے ہیں، اس کی بھی دو اقسام ہیں: شیخ اتصال، شیخ ایصال۔

(ا) شیخ اتصال: یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہوجائے، اس کے لیے چار شرطیں ہیں:

(الف) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو، کہ منقطع کے ذریعے اتصال ناممکن ہے۔ بعض لوگ بلا بیعت محض بزعمِ وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں، یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی، بلا اذن مرید کرنا شروع کردیتے ہیں، یا سلسلہ ہی وہ ہو کہ قطع کردیا گیا، اس میں فیض نہ رکھا گیا، لوگ براہِ ہوس اس میں اذن وخلافت دیتے چلے آتے ہیں، یا سلسلہ فی نفسہٖ اچھا تھا، مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بعض شرائط کے نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ بیعت نہ تھا، لہٰذا اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے۔ ان تمام صورتوں میں اس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا۔ یہ بیل سے دودھ نکالنے یا بانجھ سے بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرنا ہے، جو عقلِ سلیم کے خلاف ہے۔

(ب) شیخ سنی العقیدہ ہو ۔ بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔ آج کل بہت کھلے ہوئے، بددینوں، بلکہ بے دینوں حتی کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکر ودشمنِ اولیا ہیں، مکاری کے لیے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار! خبردار! احتیاط لازم ہے:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

ترجمہ: بہت سے ابلیس انسانی صورت میں ہیں، پس ہر ہاتھ میں عقیدت کا ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔

(ج) عالم ہو، یعنی علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کفایت کرتا ہو، اور یہ بھی لازم ہے کہ عقائد اہل سنت سے پورا واقف ہو۔ کفر واسلام وضلالت وہدایت کے فرق کا خوب جاننے والا ہو، ورنہ اگر آج بد مذہب نہیں ہے، تو کل ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الشَّرَّ فَيَوْمًا يَقَعُ فِيْهِ (جو شر سے آگاہ نہیں، ایک دن اس میں مبتلا ہوجائے گا)

سینکڑوں کلمات وحرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے، اور جاہل اپنی جہالت کی بنا پر ان میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان کے قول یا فعل سے کفر سرزد ہوا، اور بے خبری میں توبہ کا تصور ناممکن ہے، تو اس شر میں مبتلا ہی رہیں گے، اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل تو ڈر جاتا ہے اور توبہ کرلیتا ہے، مگر وہ جو سجادہ مَشیخت پر ہادی ومرشد بنے بیٹھے ہیں، ان کا پندارِ نفس انہیں حق قبول کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾

ترجمہ: جب اس سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر، تو گھمنڈ اُسے گناہ پر ابھارتا ہے۔ (البقرہ: آیت ۲۰۶)

اور اگر حق کو قبول کرتے بھی ہیں تو صرف اتنا ہی کہ خود توبہ اور تجدید ایمان کرلیں گے، لیکن کفریہ قول یا فعل کی وجہ سے جو بیعت فسخ ہوگئی، اس کو بحال کرنے کے لیے اب کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور نئے شیخ کے نام کا شجرہ اپنے مریدین کو دینا، خواہ وہ شیخ

اول ہی کا خلیفہ ہو، ان کا نفس گوارا نہیں کرتا۔ ان کو یہ بھی گوارا نہیں کہ بیعت فسخ ہونے کی وجہ سے وہ لوگوں کو بیعت کرنے کا سلسلہ روک دیں، لہٰذا وہ بیعت کے سلسلے کو منقطع ہونے کے باوجود جاری رکھتے رہیں اور پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ منقطع سلسلے سے اتصال ممکن نہیں ہے، لہٰذا ان تمام خرابیوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ پیر تمام عقائدِ اہل سنت کا عالم ہو۔

(د) فاسق معلن نہ ہو، یعنی تمام فرائض، واجبات اور سنن مؤکدہ کا عامل ہو، اور تمام حرام، مکروہِ تحریمی اور اِسائت سے اجتناب کرتا ہو۔ اس شرط پر اگر چہ اتصال کا حصول موقوف نہیں ہے، کیونکہ محض فسق کی وجہ سے خود بخود بیعت فسخ نہیں ہوتی، لیکن پیر کی تعظیم لازم ہے، اور فاسق کی توہین واجب ہے، اور تعظیم اور توہین بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے، اس لیے پیر کا فسق سے پاک ہونا ضروری ہے۔ امام زیلعی تبیین الحقائق میں فاسق کے بارے میں لکھتے ہیں: {فِیْ تَقْدِیْمِهٖ لِلْاِمَامَةِ تَعْظِیْمُهٗ وَقَدْ وَجَبَ عَلَیْهِمْ اِهَانَتُهٗ شَرْعًا} یعنی امامت کے لیے فاسق کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے، حالانکہ شریعت میں تو اس کی توہین واجب ہے۔

(۲) پیر کی دوسری قسم شیخ ایصال ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ مذکورہ بالا چاروں شرائط کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نفس کی خرابیوں، شیطان کی مکاریوں اور خواہشات کا شکار ہونے سے آگاہ ہو۔ یہ شیخ دوسروں کی تربیت کرنا جانتا ہو، اور اپنے متوسلین کے ساتھ مکمل شفقت سے پیش آتا ہو۔ ان کے عیوب پر انہیں مطلع کرے، اور ان کا علاج بتائے اور طریقت کی راہ میں انہیں جو مشکلات پیش آئیں، اُن کا حل بتائے، نہ محض سالک ہو، اور نہ نرا مجذوب۔ عوارف المعارف میں فرمایا: یہ دونوں پیر بننے کے قابل نہیں ہیں۔

اس لیے کہ سالک خود ابھی تک راہ میں ہے، اور تربیت کا طریقہ نہیں جانتا، بلکہ مجذوبِ سالک ہو، یا سالکِ مجذوب، اور مجذوب سالک اولیٰ ہے، کیونکہ اگر چہ وہ مراد کو پا چکا ہے، لیکن وہ دوسروں کو سلوک کی منزل پر چلانے سے غافل ہے، اس لیے کہ مجذوبِ سالک مراد ہے، اور سالک مجذوب مرید اور مرید سے مراد افضل ہوتا ہے، پھر بیعت کی بھی دو قسمیں ہیں: بیعت برکت، بیعت ارادت۔

(الف) بیعت برکت کہ صرف تبرک کے لیے داخل سلسلہ ہو جانا۔ آج کل عام بیعتیں یہی ہیں، بشرطیکہ نیک نیتی کے ساتھ ہوں، ورنہ جن کی بیعت کا مقصد دنیاوی اغراضِ فاسدہ ہوتی ہیں، وہ خارج از بحث ہے۔ اس بیعت کے لیے شیخ اتصال کا شرائطِ اربعہ کا جامع ہونا کافی ہے۔ اس بیعت کا بھی بہت فائدہ ہے، اور دنیا اور آخرت میں کار آمد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوبین کے غلاموں میں نام شامل ہونا اور اُن کے ساتھ سلسلے کا اتصال خود اپنی جگہ باعثِ سعادت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج: ۲۱ص ۵۰۵تا۵۰۷، بتصرف، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

(ب) بیعت کی دوسری قسم بیعتِ ارادت ہے۔ اس بیعت کا مطلب ہے کہ سلوک کے معاملات میں مرید اپنے ارادے اور اختیار پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے آپ کو شیخ و مرشد، ہادیِ برحق اور واصل بحق (یعنی سلوک کے منازل طے کرنے والے) کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے۔ اسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک ومتصرف جانے۔ اس کی رہنمائی میں راہ سلوک پر چلے۔ کوئی قدم اس کی مرضی کے بغیر نہ اٹھائے۔ اسے شیخ کی بعض ہدایات یا افعال اپنی فہم کے مطابق صحیح معلوم نہ ہوں، تو انہیں خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال کی مثل سمجھے، اور اپنی عقل کا قصور جانے۔ اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے۔ اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے۔ غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔ یہ بیعت سالکین ہے، اور یہی مقصودِ مشائخ و مرشدین ہے۔ یہی بیعت اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے، یہی بیعت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے۔

سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:﴿بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَاَنْ لَّانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ﴾ ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری اور ہر خوشی وناگواری میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سنیں گے، اوراس کی اطاعت کریں گے، اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون چرانہ کریں گے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱ص۵۰۹، بتصرف ،رضافاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں قادری قدس سرہ القوی کا فرمان ایسے مشائخِ طریقت سے متعلق ہے جو عالمِ باعمل ہوں، شریعت وطریقت کو ایک دوسرے کی ضد نہ سمجھتے ہوں، شریعت کو سب امور پر حاکم مانتے ہوں، صرف بعض اَسرار و رموز کی ایسی باتیں اُن سے صادر ہوتی ہوں، جو عام لوگوں کے فہم سے ماوراہوتی ہیں، حقیقت میں وہ شریعت کے خلاف نہیں ہوتیں۔ اس سے پیری کا لبادہ اوڑھنے والے بدعمل اور بے دین دھوکے باز مراد نہیں ہیں جو اپنے لوگوں کو ذبح کریں، عورتوں کے ساتھ بے حجاب اختلاط کریں، اور بعض صورتوں میں بدکاری میں مبتلا ہوں۔ ماضیِ قریب کی تاریخ میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

مزارات پر خرافات

بعض مزارات کا ماحول بھی بدعات، خرافات، منکرات، نشہ فروخت کرنے والے اور نشے کے عادی افراد کا گڑھ بن چکا ہے۔ بزرگانِ دین کے مزارات کو ان بدعات وخرافات سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ اسی لیے ہم نے سہون شریف میں حضرتِ عثمان مروندی عُرف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مبارک کے سانحے کے بعد علما ومشائخ اہل سنت کے ہمراہ وہاں حاضری دی، اور پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

ہمارے نزدیک مروّجہ دھمال اور مرد وزن کے مخلوط رقص کا دینی روایات وتعلیمات سے نہ کوئی تعلق ہے، اور نہ اس کا کوئی شرعی جواز ہے۔ اس کلچر کی وجہ سے آوارہ منش اور نشے کے عادی لوگ یہاں آتے ہیں۔ اس کلچر کا تصوف، روحانیت، تزکیہ وتربیت اور عرفان واحسان سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی ضد ہے۔ صوفیہ کے وجد اور تواجد کا مروّجہ دھمال سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح اکابر علمائے احناف کے نزدیک عورتوں کو مزارات پر نہیں جانا چاہیے، اور موجودہ خرابیوں کو دیکھا جائے تو پابندی کی حکمت اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔

محکمہ اوقاف اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ مزارات پر بے اعتدالیاں ہورہی تھیں، اور بعض جگہ سجادگان اور مزارات کے متولّی اپنے مفادات کے لیے اِن غیر شرعی بے اعتدالیوں کا سدباب نہیں کرتے تھے، لیکن اب اوقاف کے ذمے داران نے ان کی جگہ لے لی ہے، اور صورتِ حال پہلے سے ابتر ہوچکی ہے۔ محکمہ اوقاف کی بہت سی مساجد میں محکمے کی طرف سے مقررہ امام ڈیوٹی پر موجود نہیں ہوتے، اور وہاں لوگوں کو الگ سے امام کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح اوقاف کے زیر اہتمام مساجد کی تزئین وآرائش اور دیگر ضروریات کا اہتمام بھی لوگوں کے چندے سے ہوتا ہے۔ سو مزارات کے نظام میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے اور اس کے لیے اہل سنت وجماعت کے ثقہ علما اور متشرع مشائخ کا ایک نگران بورڈ بنایا جائے، اور سجادگی کے لیے اس خانقاہ سے منسلک متدین، باشرع، صحیح العقیدہ اور ذی علم شخص کا انتخاب کیا جائے۔ جاہل، بے عمل، بلکہ بدعمل سجادہ نشین پیروں کو فی الفور معزول کیا جائے۔ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے۔

ترکے میں ملی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن
یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر ودلقِ اویس وچادرِ زہرا

☆☆☆

رضویات چوتھی قسط

امام احمد رضا اور اکابر امت کا دفاع

حضرت حسین بن منصور حلاج اور امام احمد رضا قدس سرہما

تحریر: مفتی فیضان المصطفٰے قادری

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمہ اللہ

حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ تیسری صدی ہجری کے معروف صاحبِ حال بزرگ گزرے ہیں، جن کے بارے میں مشہور ہے کہ نعرۂ ''انا الحق'' کے سبب ان کو قتل کر دیا گیا تھا، تاہم اکابر صوفیائے کرام اور علمائے امت ان کو بلند پایہ بزرگ قرار دیتے ہیں۔ ہمیں ان کے حالات زندگی کی تفصیلات کچھ زیادہ نہیں ملیں۔ رجال وطبقات کی کتب میں جو کچھ مذکور ہے وہ ان کے متعلق مختلف الخیال طبقات کے اپنے آراو تاثرات، اور اپنے اپنے ذرائع سے حاصل کردہ معلومات ہیں۔ وفیات الاعیان اور لسان المیز ان کا بیان مخالفین سے متاثر ہے، جب کہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں مخالف وموافق تمام روایات وتاثرات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور نسبتاً زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم ان تینوں کتابوں سے کشید کر کے کچھ معلومات درج کرتے ہیں۔

آپ کا نام حسین بن منصور ہے۔ ابومغیث کنیت ہے، اور حلاج (روئی دھوننے والا) سے مشہور ہوئے، حالانکہ یہ ان کا اپنا پیشہ نہ تھا، یا تو والد کا پیشہ تھا، یا اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے ایک بار ایک دھونیا سے کچھ کام کہا، جس نے پیشہ ورانہ مصروفیات کا عذر کیا تو آپ نے کہا تم میرا کام کر دو، میں تمہارا یہ کام کر دیتا ہوں، وہ جب کام کر کے لوٹا تو آپ دوکان کی ساری روئی دھن چکے تھے، اس لیے حلاج مشہور ہوئے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں کے حال معلوم کر لیتے تھے، جس کے سبب حلاج الاسرار مشہور ہوئے۔ فارس کے رہنے والے تھے، واسط وعراق میں نشو ونما پائی۔ لوگ ان کے متعلق مختلف الرائے ہیں، کچھ تو ان کی تعظیم کرتے ہیں، کچھ ان کی تکفیر کرتے ہیں۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ امام غزالی نے مشکاۃ الانوار میں ان کے متعلق ایک مستقل باب سپرد قرطاس کیا ہے، جس میں ان کے مشتبہ اقوال مثلاً ''انا الحق'' اور ''مافی الجبۃ الا اللہ'' جیسے اقوال کی تاویل کی ہے۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: حضرت حلاج کہ ابتداءً زہد وتصوف سے مشہور تھے، کرامات دکھاتے تھے، سردی کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل سردی میں لاتے، اپنا ہاتھ ہوا میں لہرا کر ایسے درا ہم لا دیتے جن پر ''قل ہواللہ احد'' لکھا ہوتا اور لوگوں کے دلوں کے حال بتا دیتے، جن کی بنا پر لوگ ان کے قائل ہو گئے، کچھ (معاذ اللہ) حلول کا قول کرنے لگے، کچھ ولایت کا، اور اِن امور کو ان کی کرامات مانتے، جب کہ کچھ ان کو جادوگر ماننے لگے۔

مکہ مکرمہ میں ایک سال تک مسجد حرام کے اندر حجر میں اس طرح قیام کیا کہ شب وروز دھوپ سردی گرمی بارش کسی موسم میں کسی چھت کے نیچے نہ رہے، صائم الدھر تھے، رات میں ایک کوزہ پانی اور ایک ٹکڑے روٹی پر گزارا کرتے، پھر آپ بغداد آئے، اور مختلف ملکوں کے دورے کیے، ایک بار توحید کی دعوت دینے نکلے

، ہندوستان اوراس کے قرب وجوار کے دورے کیے، اورلوگوں کے لیے کتابیں لکھیں۔سید داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں لکھا کہ میں نے ان کی پچاس تصنیفات کا خود مطالعہ کیا ہے۔ان کے خرق عادات وکرامات کے سبب لوگوں میں اس قدر مقبولیت بڑھی کہ اہل زمانہ کوحسد ہونے لگا، بلکہ ان کے شطحیات کے سبب اہل علم کی ایک جماعت ان کی مخالفت کرنے لگی۔کچھ مقتدر صوفیائے کرام سے ان کے مباحثے بھی ہونے لگے۔کسی نے جادوگر کہا، کسی نے مجنون کہا، کچھ ان کی کرامات کے قائل تھے، حتی کہ اس وقت کے عباسی خلیفہ مقتدر بامر اللہ کے یہاں شکایات کی گئیں، جن کے نتیجہ میں مقتدر نے انھیں قید کردیا۔

سالوں تک قید میں رہے ، ایک قید خانے سے دوسرے قیدخانے منتقل ہوتے رہے، حتی کہ خلیفہ مقتدر نے اپنے وزیر کے حوالے کیا کہ مجلس قضا میں ان کا فیصلہ کیا جائے۔مجلس قضا میں فقہا اور قاضیوں کی جماعت نے وزیر کی موجودگی میں ان کے قتل کا فتویٰ دیا۔حضرت حلاج نے ان لوگوں سے کہا: تم لوگوں پر میرا خون حرام ہے۔تم لوگوں کے لیے حلال نہیں کہ میرے اقوال کا ایسا مفہوم نکالو ،جس سے میرا خون مباح ہو جائے۔میرا اعتقاد اسلام وسنت ہے ۔وہ فرماتے رہے اور قاضی لکھتے رہے ، یہاں تک کہ قتل کا فتویٰ جاری کردیا گیا اور حلاج قیدخانے میں بھیج دیے گئے۔وہاں آپ کا حال یہ تھا کہ قید خانے میں ٹخنے سے گھٹنے تک تیرہ زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا تھا، پھر بھی ہر روز وشب ہزار رکعتیں ادا کرتے تھے، خلیفہ اوراس کے وزیر نے حکم دیا کہ قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے تو شرطہ کے حوالے کیا جائے کہ ہزار کوڑے لگائے جائیں۔اگر مرجائیں تو ٹھیک، ورنہ ہزار اور لگائے جائیں، پھر ہاتھ پاؤں اور گردن کاٹ دی جائے اور جسم جلا دیا جائے۔ماہِ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ کا واقعہ ہے، جب ان پر سزا نافذ کی گئی۔ان پر ہزار کوڑے لگائے گئے، مگر آپ نے آہ تک نہ کی، بلکہ کوڑے کی ہر ضرب پر احد احد کا نعرہ لگاتے۔ان کے اعضا کاٹے جارہے تھے تو ان کے چہرے کا رنگ تک نہ بدلا، پھر ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، یہاں تک کہ سر کاٹ دیا گیا اور جسم جلا دیا گیا، اور جب جل کر راکھ ہوگیا تو راکھ دجلہ میں ڈال دی گئی ،اور سر بغداد کے ایک پل پر لٹکایا گیا۔اس سال اتفاقاً دجلہ میں زیادہ روانی ہوئی تو لوگوں نے اسے ان کے راکھ کی برکت سمجھا۔

ابراہیم بن شیبان کہتے ہیں کہ جس دن حلاج کو قتل کیا گیا ۔میں ابن سریج کے پاس گیا اور میں نے پوچھا کہ آپ ان کے قتل کے متعلق اس فتویٰ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بولے: شاید یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھول گئے:{أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَقُوْلَ: رَبِّيَ اللّٰهُ} واسطی نے کہا کہ ابن سریج نے حلاج کے متعلق فرمایا کہ وہ تو حافظ قرآن، عالم قرآن، ماہر فقہ اور عالم حدیث تھے۔ (ملخصاً وفیات الاعیان، تاریخ بغداد: تذکرہ حسین بن منصور حلاج)

یہ تو رجال وطبقات کے تذکرہ نگاروں کی روایتیں تھیں، لیکن اولوالعزم اولیائے کرام نے حضرت حسین بن منصور حلاج کی عظمتوں کے قصیدے پڑھے ہیں۔ان میں بڑے بڑے صوفیا واقطاب واغواث وعلمائے مجتہدین ومجددین شامل ہیں، مثلاً محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، امام المتکلمین امام غزالی، شیخ الاسلام علامہ ابن حجر مکی اور سید داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ہم انھیں میں سے دو بزرگوں کے حوالے سے کچھ مزید تاثرات ذکر کرتے ہیں:

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری کے کلمات

حضرت سید علی ہجویری علیہ الرحمہ نے بھی کشف المحجوب میں ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ان کی بیان کردہ تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے متعلق اس قدر اختلاف کا سبب ان کے احوال کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ان کا ہم نام ایک اور شخص تھا جو ابوسعید قرمطی کا ساتھی تھا جو ملحد تھا، اور قرامطہ کا فتنہ اور الحاد تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔(یعنی لوگوں نے اس کا الحاد ان کے سر منڈھ دیا)

لیکن یہ تو ابوالمغیث فارس کے شہر بیضا کے رہنے والے ہیں، اور ان کے متعلق جو اختلاف ہے، وہ ان کے دین و مذہب کے سبب نہیں، بلکہ ان کے احوال و کیفیات کے سبب ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں کہ حضرت حلاج ابتدا میں سہل بن عبداللہ تستری کے مرید ہوئے، پھر بغیر اجازت لیے ان کے پاس سے چلے گئے اور عمرو بن عثمان کی صحبت اختیار کر لی، پھر ان کے پاس سے بھی بغیر اجازت کے چلے گئے، اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،مگر انھوں نے قبول نہ کیا اس بنا پر مشائخ ان کو مہجور گردانتے ہیں۔ حضرت شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا: **انا و الحلاج في شئ واحد فخلّصني جنوني و أهلكه عقله** ، میں اور حلاج دونوں ایک ہی راہ کے راہی ہیں، مجھے میری وارفتگی نے نجات دی اور ان کو ان کی عقل نے خراب کر دیا۔ اسی طرح اور اکابر کے اقوال ان کی حمایت میں ذکر کیا ہے۔ اہل سنت میں کچھ لوگ ان کے کلمات کا رد کرتے ہیں جو امتزاج و اتحاد کی تعبیر میں ہیں۔ یہ الفاظ اگر چہ تعبیر و بیان میں برے ہیں، لیکن مفہوم و معنی میں اتنے برے نہیں ہیں، اس لیے کہ مغلوب الحال میں تعبیر کی قدرت نہیں ہوتی۔ حاصل یہ ہے کہ ان کے کلام کو مقتدا نہ بنایا جائے، اس لیے کہ وہ اپنے حال میں مغلوب تھے، متمکن نہ تھے۔ الحمدللہ حضرت حسین بن منصور حلاج مجھے دل سے مرغوب و محبوب ہیں، لیکن ان کا طریق کسی اصل پر قائم نہیں اور نہ کسی حال پر ان کی استقامت ہے۔ مجھے ابتدائے ظہور کے وقت ان سے بہت تقویت ملی ہے۔ میں نے ان کے کلام کی شرح لکھی ہے اور اپنی کتاب منہاج العابدین میں ان کی ابتدا و انتہا کا ذکر کیا ہے۔ (ملتقطاً کشف المحجوب صفحہ ۲۱۹ تا ۲۲۲)

شیخ الاسلام امام ابن حجر ہیتمی مکی کے کلمات

امام ابن حجر مکی فتاویٰ حدیثیہ میں ان کے احوال و اقوال کی تشریح کرتے ہوئے ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ جو سکر سببِ جائز سے پیدا ہو، بندہ اس کے بعد مکلّف نہیں رہ جاتا، اور حضرت حلاج کے متعلق یہی موقف غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے بعد ان کی حمایت میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کلمات ذکر کرنے کے بعد امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ حضرت حلاج کے شرف و کرامت کے لیے اس عظیم ہستی کی شہادت ہی کافی ہے۔ **{ويكفي للحلاج شرفاً شهادة هذا القطب له بهذاالمقام}** (فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۳۱۴)

امام غزالی کا موقف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہرگز نہ سمجھنا کہ کچھ صوفیا ان کے احوال باطنی کے منکر ہیں، ایسی بات نہیں۔ امام غزالی نے ان کے احوال کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے ان کے کلمات و واقعات کی ایسی توضیح کی ہے جس سے حلول و اتحاد جیسے باطل اعتقادات سے حضرت حلاج کی برأت ثابت ہو جاتی ہے۔ ان کے کلمات یہ ہیں:

{وایاک أن تفهم أن من الصوفية من ينكر عليه حاله الباطن فان الأمر ليس كذلك ،وقد بسط الغزالي رحمه اللّٰه أحواله فأجاب عن كلماته ووقائعه بما ينزه ساحته عن حلول أوغيره من الاعتقادات الباطلة } (فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۳۱۵ مطبوعہ بمبئی)

ہم نے حضرت حلاج کی حمایت میں اوپر دو مقتدر شخصیات کی تحریر درج کی ہے۔ امام الاتقیا حضرت سید علی ہجویری اور امام العلما حضرت ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ جیسی عظیم دو شخصیتوں کی شہادتیں کافی ہیں، اور اگر حضرت حلاج کے حق میں اکابر علما و اولیا کے تاثرات جمع کیے جائیں تو دفتر تیار ہو جائے، لیکن ہمارا مقصد بس اس قدر ہے کہ حضرت حلاج کی شخصیت اولیائے کرام کی بارگاہ میں مقبول و محبوب ہے، اسی وجہ سے امام احمد رضا قدس سرہ بھی انھیں نظر انداز نہیں کرتے۔

اب ذیل میں ہم اس تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ کے کلمات پیش کرتے ہیں، تاکہ ہمارے قارئین غور کریں کہ اعلیٰ حضرت نے ان کی حمایت میں جو کچھ کہا ہے، اس کا رنگ و آہنگ کیا

ہے؟

امام احمد رضا قدس سرہ کے کلمات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں ،منصور ان کے والد کا نام تھا اور ان کا اسم گرامی حسین ،اکابر اہل حال سے تھے،ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبہ ولایت ومعرفت میں زائد تھیں، وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں،اور یاد الٰہی میں مصروف ہوتیں۔ایک دن ان کی آنکھ کھلی ،بہن کو نہ پایا،گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتہ نہ چلا،ان کو وسوسہ گذرا ، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اٹھ کر چلیں، یہ آہستہ پیچھے ہو لیے، دیکھتے رہے،آسمان سے سونے کی زنجیریں یاقوت کا جام اترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آلگا۔انھوں نے پینا شروع کیا،ان سے صبر نہ ہوسکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اٹھے کہ بہن تمھیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لیے چھوڑ دو،انھوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا ،انھوں نے پیا اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در و دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے؟ انھوں نے کہنا شروع کیا ''انا الحق'' بیشک میں سب سے زیادہ اس کا سزاوار ہوں ،لوگوں کو سننے میں آیا ''انا الحق'' وہ دعویٔ خدائی سمجھے اور یہ کفر ہے، اور مسلمان ہوکر جو کفر کرے ،مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:{**من بدل دینہ فاقتلوہ رواہ احمد و الستة الا مسلمًا عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما و اللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**} جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو،اس حدیث کو اصحاب ستہ سے مسلم کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔(فتاویٰ رضویہ قدیم جلد۱۲/صفحہ۲۲)

دوسرے مقام پر اتنا اور زیادہ ہے:

حضرت حسین منصور ''انا الحق'' نہیں کہتے تھے ، بلکہ ''انا الاحق'' ابتلائے الٰہی کے لیے سامعین کی فہم کی غلطی تھی۔ الخ (فتاویٰ رضویہ قدیم جلد۱۲/صفحہ۱۹۶)

جس کے پیتے ہی ان کو ہر شجر وحجر سے آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ احق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے، یہ اس کا جواب دیتے ''انا الاحق'' بیشک میں احق ہوں۔لوگوں نے کچھ سنا اور جو منظور تھا،واقع ہوا۔(فتاویٰ رضویہ قدیم جلد۱۲/صفحہ۱۹۷)

اسی مقام پر ایک سوال ہے کہ علمائے عظام ومشائخ کرام نے منصور کو کیوں سولی دی؟ اگر بوجہ کفر سولی دی گئی ہے تو کیا منصور کو اب مسلمان اور کاملین میں سے شمار کریں؟ جواب میں فرمایا:

ظاہر مسموع ان کے کلام سے وہ تھا جس پر شرعاً تعزیر قتل ہے،لہٰذا حکم شرع پورا کیا گیا: بے حکم شرع آب خوردن خطاست وگر خون بہ فتویٰ ریزی رواست (فتاویٰ رضویہ قدیم جلد۱۲/صفحہ ۱۹۷)

اسی کے شروع میں یہ مبارک تاثراتی کلمات ارشاد فرمائے:وہ تینوں حضرات کرام اکابر اولیائے عظام سے ہیں۔قدسنا اللہ باسرارہم (فتاویٰ رضویہ قدیم جلد۱۲/صفحہ۱۹۶)

فتاویٰ رضویہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں: بہجۃ الاسرار شریف میں سیدنا ابوالقاسم عمر بزاز قدس سرہ سے روایت فرماتے ہیں:{**قال سمعت السید الشیخ عبدالقادر الجیلاني رضي اللّٰہ تعالٰی عنه یقول غیر مرة:عثر أخي حسین الحلاج فلم یکن في زمنه من یأخذ بیده و لو کنت في زمانه لأخذت بیده**}۔میرے بھائی حسین حلاج کا پاؤں پھسلا،ان کے وقت میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی دستگیری کرتا۔اس وقت میں ہوتا تو ان کی دستگیری فرماتا۔(ملخصا فتاویٰ رضویہ قدیم جلد۱۱/صفحہ۴۳)

فتاویٰ رضویہ کے مختلف مقامات سے اخذ کر کے ہم نے امام

احمد رضا قدس سرہ کے کلمات حضرت حلاج کی حمایت اور دفاع میں درج کر دیے ہیں۔ ان کلمات پر غور کریں تو چند نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں:

نکات:

(۱) عام تذکرہ نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ حضرت حلاج ''انا الحق'' کہتے تھے۔ اس کی تاویل اعلیٰ حضرت نے یہ فرمائی کہ ''انا الحق'' نہیں، بلکہ ''انا الاحق'' فرماتے تھے۔ یہ تاویل ممکن ہے اکابر سے ماخوذ ہو، لیکن ہمیں یہ نکتہ اعلیٰ حضرت کے یہاں ملا۔ ظاہر ہے بہن کا جو واقعہ اعلیٰ حضرت نے ذکر کیا اس پر ''انا الحق'' کی بجائے ''انا الاحق'' کا ہی مفہوم بنتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ ''انا الحق'' کہتے ہی نہ تھے تو سرے سے ان پر کوئی الزام ہی نہیں۔

(۲) ہوسکتا ہے حضرت حلاج قدس سرہ کے مقامات کا جو قائل ہو، وہ ان فقہا کی اس جماعت کی مذمت شروع کر دے، جس نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا، مگر اس معاملے میں اعلیٰ حضرت کے کلمات اس قدر اعتدال پر ہیں کہ قاری کو اُس جماعت فقہا کے خلاف زبان کھولنے کا موقع نہیں دیتے کہ حضرت حلاج کے جو باطنی احوال تھے، ویسے ہی کلمات ان کی زبان سے نکلے، اور جماعت فقہا نے جیسا سنا ویسا فیصلہ دیا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے بڑا برمحل شعر ارشاد فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ شرعی فتوی کی بنیاد پر کبھی پانی پینا بھی جرم ہو جاتا ہے اور کبھی خون بہانا بھی جائز۔

(۳) بلکہ اعلیٰ حضرت کی عبارت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس جماعت فقہا کے ذریعہ رب تعالیٰ نے حضرت حلاج کے مطلوب و مدعا میں ان کی مدد کی، کیوں کہ آواز تو آتی تھی کہ کون ہے جو ہماری راہ میں قتل ہو؟ اس پر آپ نے ''انا الاحق'' کہہ کر راہِ خدا میں اپنی جان کی قربانی کی پیش کش کر دی۔ بالآخر ہوا بھی یہی، اور جیسا کہ ہم نے اوپر ان کے تذکرے میں تاریخ بغداد اور فیت الاعیان کے حوالے سے جو کچھ تحریر کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ راہِ خدا میں ان کی جان کی قربانی تھی۔ جماعت فقہا نے تو ان کے قتل کا فتویٰ دیا تھا، لیکن حکام نے انھیں ہزار کوڑے لگوائے، پھر ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے پھر سر قلم کیا گیا، پھر کئی دنوں تک ان کا سر شاہراہ عام پر رکھ کر لوگوں کو دکھایا گیا، اور ان کے جسم کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا گیا، اور اس راکھ کو دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا۔

یہ سب کچھ عباسی خلیفہ مقتدر بامر اللہ اور اس کے وزیر کے اشارے پر ہوا۔ دیکھنے والوں نے بتایا کہ ان کے اعضا کاٹے جاتے تو کوئی آہ و کراہ نہ کرتے، بلکہ احد احد کا آوازہ بلند کرتے تھے۔ اس سے پہلے قید خانے میں تیرہ بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئی تھیں، پھر بھی شبانہ روز ہزار رکعتیں نفل ادا کرتے تھے۔ یہ سب راہ خدا میں قربانی کی عجیب و غریب مثال ہے۔ اسی پر ابن سریج کا یہ تاثر خوب جمتا ہے کہ ان کے قتل پر انھوں نے کہا تھا: {اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَقُوْلَ: رَبِّيَ اللّٰهُ}

(۴) اعلیٰ حضرت ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں جیسے خود بھی ان کے فیض یافتہ یا ان کے فیوض و برکات کے متمنی ہیں، جیسا کہ ان کے ذکر میں ''سیدی'' قدّ سنا اللہ باسرارہم'' جیسے کلمات بہت واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

☆☆☆

(باقی صفحہ ۶) .....نے کتنی آفاقیت رکھی تھی۔ ہر خانقاہ اور ہر بڑے عالم کو ان کی عظمت شان اور کام کی نوعیت کے اعتبار سے کسی نہ کسی منصب اور عہدہ سے وابستہ رکھا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس اجتماعی جدوجہد نے ہندوستانی مسلمانوں کے ایمان و عمل کو شدھی تحریک سے محفوظ رکھا۔

آج ہم ایک اکائی نہیں، بلکہ سینکڑوں اکائیوں میں گرفتار ہیں، اور عالم یہ ہے کہ ایک ایک کر کے ہر ایک اکائی کے افراد طرح طرح کے مظالم اور حق تلفی کی مار جھیل رہے ہیں۔ آج امت مسلمہ کا ہر فرد اپنے اکابر کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے تک رہا ہے کہ کب ان کی نگاہ کیمیا اثر ہمارے زخموں کا علاج کرتی ہے۔ کب وہ قومی و جماعتی استحکام کے لیے متحد ہوتے ہیں، اور کب غم والم میں بہتے ہوئے ہمارے آنسو خوشی و مسرت، بلکہ خراج تشکر کے اشک میں تبدیل ہوتے ہیں۔ خدا کرے وہ سورج جلد طلوع ہو جو ہمارے وجود و اقدار کو مٹانے والی مہیب تاریکی کا خاتمہ کر دے: آمین☆

بحث وتحقیق

قسط پنجم

شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض ونقد

از: مفتی ازہار احمد امجدی ازہری (فاضل جامع ازہر مصر)

شیعہ امامیہ کے نزدیک علوم حدیث کے اصول وقواعد پر عرض اور کسی قدر نقد کے بعد اب ہم قارئین کرام کو اصل مقصد یعنی ان کی کتب رجال اور کتب حدیث کی طرف لے چلتے ہیں۔ ان کی یہ کتابیں ان کے عقائد فاسدہ کی بنا پر اہل سنت و جماعت کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔ اسی طرح ان کی یہ کتابیں خود ان کے نزدیک بھی غیر معتبر اور نا قابل قبول ہونی چاہیے، کیوں کہ شیعہ امامیہ نے اگر چہ حدیث کے قبول وعدم قبول کے لیے اصول وضوابط طے کئے اور کتابیں لکھی ہیں، مگر انہوں نے اپنی کتب حدیث وغیرہ میں ان اصول کا پاس ولحاظ نہیں کیا! ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ سطور میں یہ دعویٰ بیان شافی ووافی سے واضح ہوجائے گا، پہلے ہم ان کی کتب رجال پر گفتگو کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

شیعہ امامیہ کے عالم غریفی نے لکھا: ''ہمارے یہاں رجال کے متعلق کتب ہیں جو اصول کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کے ذریعہ ہم بعض راویوں کے حالات بحیثیت توثیق وتضعیف جان لیتے ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) رجال الکشی (۲) رجال النجاشی (۳) الرجال للطوسی (۴) الفہرست للطوسی (۵) کتاب ابی الحسن غضائری (۶) کتاب احمد بن محمد برقی''۔

اخیر کی دونوں کتابوں کے بارے میں غریفی نے لکھا: ''ان دونوں کتابوں کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف مشکوک ہے''۔ (قواعد الحدیث/غریفی ص۱۶۲) لہٰذا ہم یہاں صرف باقی چار کتابوں پر ہی گفتگو کرتے ہیں:

(۱) رجال الکشی: یہ کتاب ۳۶۲ راویوں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس کتاب اور اس کے مؤلف کے بارے میں شیعہ امامیہ کے عالم نجاشی نے لکھا: ''ثقہ تھے، ضعفا سے روایت کرنے میں کثرت کی ہے، ان کی تصنیف کردہ کتاب الرجال ہے، علم میں بہت ماہر ہیں، ان کی اس کتاب میں غلطیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں''۔ (الرجال/نجاشی، ج۱ص۵۰)

شیعہ امامیہ کے عالم غریفی نے لکھا: '' اصول رجال میں شیعہ امامیہ کے علما کی کوئی ایسی کتاب ہی نہیں ہے جو احادیث روایت کرنے والے تمام راویوں کو شامل ہو کہ توثیق وتضعیف اور مدح وقدح کے اعتبار سے انہیں جانا جاسکے۔ یہی کشی نے اپنی کتاب میں صرف انہیں راویوں کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے جن کے بارے میں بطور مدح وذم احادیث وارد ہیں اور باقی تمام راویوں کو چھوڑ دیا، مگر نجاشی نے اس کتاب کو کثرت اغلاط سے متصف کیا ہے''۔ (قواعد الحدیث/غریفی، ص۱۵۹)

رجال کے سلسلے میں شیعہ امامیہ کے نزدیک یہ کتاب اصل کی حیثیت رکھتی ہے، اور مراجع رجال میں کافی اہمیت کی حامل ہے، مگر شیعہ امامیہ کے علما نے خود اس کتاب کو اغلاط کا مجموعہ بتا کر ساقط الاعتبار قرار دے دیا!

(۲) رجال النجاشی: یہ کتاب ۱۲۷۰ راویوں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ نجاشی نے راوی کا نام ذکر کرنے کے بعد اس کی توثیق یا تضعیف بیان کیا ہے، پھر ان راویوں کی تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ عموماً راوی تک اپنی اسناد کو بھی بیان کیا ہے، اور کبھی صرف راوی کا ذکر کیا ہے، مگر اس کے بارے میں جرح وتعدیل کچھ نہیں بیان کیا۔

(اصول الروایۃ عند الشیعۃ الامامیۃ/عمر محمد الفرماوی، ص ۲۸۱)

غریفی نے لکھا: ''نجاشی نے اس کتاب کو اصل میں شیعہ امامیہ کی تصانیف کو ذکر کرنے کے لیے لکھی ہے، اور رہی بات مؤلفین کی تو ان کا ذکر محض ضمناً کیا گیا ہے، اس وجہ سے انہوں نے ان راویوں کا ذکر ہی نہیں کیا، جن کی کوئی تصنیف نہیں تھی''۔ (قواعد الحدیث/غریفی، ص ۱۵۹)

(۳) الرجال للطوسی: یہ کتاب ۸۹۰۰ راویوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو طوسی نے ان تمام راویوں کو جمع کرنے کے لیے تصنیف کی ہے، جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ائمہ اثنا عشر سے روایت کیا ہے۔ نجاشی نے لکھا:

''یہ کتاب الرجال ان راویوں کے بارے میں ہے جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام سے روایت کی ہے'' (رجال النجاشی، ج ۲ ص ۲۲۳)

غریفی نے لکھا: ''اگر چہ شیخ طوسی نے بطور احاطہ راویوں کو توثیق وتضعیف کے ساتھ ذکر کرنے کا ارادہ کیا، یہاں تک کہ اپنی اس کتاب میں اس نے ان لوگوں کا بھی ذکر کیا جنہوں نے معصومین علیہم السلام کا زمانہ نہیں پایا، لیکن اس نے ہر راوی کے بارے توثیق وتصریح کا التزام نہیں کیا، انہوں نے اگر چہ کثرت سے توثیق کی صراحت کی ہے، مگر ان کا مقصد صرف راویوں کا احاطہ کرنا تھا، نہ کہ توثیق۔ اسی وجہ سے بہت سارے ثقہ راویوں کے بارے میں اس نے توثیق کی صراحت نہیں کی، لہٰذا اگر یہ کسی کی توثیق نہ کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ثقہ نہیں.....اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بھی کسی کی توثیق نہیں کی''۔ (قواعد الحدیث/غریفی، ص ۱۶۳)

(۴) الفہرست للطوسی: یہ کتاب ۸۸۸ راویوں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بھی نجاشی کے طریقہ پر ہی تصنیف کی گئی ہے، یعنی اصل مقصد شیعہ امامیہ کی تصانیف کا بیان کرنا تھا اور ضمنی طور پر ان کے مؤلفین کا بھی ذکر کر دیا گیا۔ اس کتاب کے مصنف نے لکھا: ''یہ میرے لیے ضروری ہے کہ راوی ومؤلف کے بارے جو تعدیل وتجریح موجود ہے، اسے ذکر کروں اور یہ بیان کروں کہ اس کی روایت پر اعتماد کیا جائے گا، یا نہیں، نیز اس بات کی بھی وضاحت کر دوں کہ راوی حق کا موافق ہے یا مخالف، کیوں کہ ہمارے بہت سارے مصنفین اصحاب اور اصحاب اصول اگر چہ ان کی کتابیں قابل اعتماد ہیں، مگر وہ عقائد فاسدہ رکھتے ہیں''۔ (الفہرست/طوسی، ج ۱ ص ۲)

میں شیخ طوسی کو اپنے کئے ہوئے وعدہ پر کھرا اترتا نہیں دیکھتا، کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں بہت سارے راویوں کو جگہ دی، لیکن ان کے متعلق جرح وتعدیل کچھ بھی ذکر نہیں کیا، شیعہ امامیہ کے عالم غریفی نے لکھا: ''شیخ طوسی نے اپنے اس کتاب کے مقدمہ میں اپنے کیے ہوئے وعدہ کو پورا نہیں کیا، یعنی جو اس نے ہر راوی کے متعلق جرح و تعدیل ذکر کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس کا التزام نہیں کیا''۔ (قواعد التحدیث/غریفی، ص ۱۶۱)

نیز شیعہ امامیہ کے عالم طوسی کے نزدیک ان کے بہت سارے علما عقائد فاسدہ رکھتے ہیں، اس کے باوجود ان کے نزدیک ان لوگوں کی کتابیں وتصنیفات قابل اعتماد اور قابل قبول ہیں!

مزید الفہرست کی تکمیل کے لیے شیعہ امامیہ کے ایک عالم محمد بن علی بن شہر آشوب مازبدرانی (م ۵۸۸ھ) نے ایک کتاب بنام ''معالم العلما'' تصنیف کی۔ یہ کتاب ۱۰۲۱ راویوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے بیان ووضاحت کا طریقہ بالکل الفہرست ہی کی طرح ہے۔

علم رجال میں شیعہ امامیہ کی یہی معتمد کتب ہیں، جو خود انہیں کی تنقید کا شکار ہیں۔ کشی سے قدیم تر کوئی شخص موجود نہیں جس نے اس سے پہلے کوئی کتاب علم رجال میں لکھی ہو، جو واضح طور پر شیعہ امامیہ کے اس میدان میں قلت علم پر دلالت کرتا ہے، اور کشی جو فن رجال کا سب سے قدیم مؤلف ہے، خود شیعہ امامیہ کو اس کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ ہاں، اتنا ان لوگوں نے کہا ہے کہ یہ محمد بن

یعقوب کلینی صاحب الکافی (م ۳۲۹ھ) کے طبقہ میں تھے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں راویوں کی پیدائش و وفات کو ذکر کرنے اور طبقہ کی تعیین کرنے میں بے توجہی برتی، اور ظاہر سی بات ہے کہ جب یہ کتب اصول کی حیثیت رکھتی ہیں تو بعد میں آنے والے مؤلفین انہیں کتابوں کی طرف رجوع کریں گے، اور جب اصل کا یہ حال ہے تو فرع کا حال کیا ہوگا؟ قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مراتب صحابہ: شیعہ امامیہ کے نزدیک صحابی ہونا مدح و ذم پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ ماقبل میں ذکر ہوا، نیز ان کے نزدیک صحابی کی توثیق کی حاجت ہوتی ہے، جیسا کہ ابھی اس کا بیان گزرا، نیز شیعہ امامیہ کے عالم مامقانی نے لکھا ہے: ''عدالت کے متعلق صحابہ اور دیگر لوگوں کا حکم یکساں ہے، آدمی کا صرف صحابی ہونا اس کی عدالت پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ان کے اندر عدالت کا پایا جانا ضروری ہے۔ ہاں، اگر صحابی ہونا ثابت ہے تو اب ان کے اسلام کی تفتیش کی ضرورت نہیں، لیکن اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوگیا ہو تو تفتیش ضروری ہے، لہٰذا عامہ (اہل سنت و جماعت) جو یہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ یہاں تک کہ وہ لوگ جنہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے قتال کیا، سب عادل ہیں، محض عناد ہے''۔ (مقباس الھدایۃ فی علم الروایۃ / مامقانی، ج ۳ ص ۳۰۵)

اپنی اسی رائے کی بنا پر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مختلف مراتب بیان کیا۔ آپ بھی بغور ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وہ صحابہ جن کی عدالت معلوم ہے، جیسے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، جابر بن عبداللہ، بلال بن رباح اور وہ لوگ جنہوں نے آل بیت کی مدد اور ان کا اتباع کیا (۲) وہ صحابہ جن کا فسق و جھوٹ معلوم ہے، ہر وہ صحابی جو آل بیت سے منحرف ہوا اور ان کے لیے عداوت و بغض کا اظہار کیا، جیسے ابو ہریرہ، انس بن مالک اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ (۳) وہ صحابہ جن کی حالت معلوم نہیں، اس باب میں شیعہ امامیہ کے علما نے کوئی مثال پیش نہیں کی۔

مراتب کے احکام: شیعہ امامیہ کے نزدیک صحابہ میں سے جن کی عدالت معلوم ہے، ان کی روایت ان کے نزدیک مقبول ہے، اور ان کے اعتبار سے جو فسق و فجور سے متصف ہیں، ان کی روایت مقبول نہیں اور جن کی حالت مجہول ہے، ان کی روایت میں توقف ہے۔ (الخصال للصدوق رص ۹۰، أعیان الشیعۃ / ج ۱ ص ۱۱۳)

شیعہ امامیہ کی یہ جہالت ہے جو بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آل بیت کا دشمن سمجھتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل بیت سے محبت کرنے والے تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شک وہی کرے گا جو منافق ہے۔

نیز تمام صحابہ کرام عادل ہیں، یہی صحیح و حق ہے۔ جب ان کی توثیق و تعدیل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تو اب ان کے بارے میں کسی کی توثیق کی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق و تعدیل کی بنیاد پر ہی اہل سنت و جماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صحابی ہونا ہی اس کے عادل و ثقہ ہونے کے لیے کافی ہے، اور تمام صحابہ عادل ہیں۔ اس باب میں اہل سنت و جماعت کے چند دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿**کنتم خیر أمة أخرجت للناس**﴾ (سورہ آل عمران: آیت: ۱۱۰) ترجمہ: تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ (کنز الایمان)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

{خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم، ثم یجیء قوم تسبق شھادۃ أحدھم یمینہ، و یمینہ شھادتہ} (صحیح البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۵ ص ۳، رقم الحدیث: ۳۶۵۱)

ترجمہ: سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر سب سے بہتر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر

ایک قوم آئے گی جو گواہی دینے اور قسم کھانے میں جلد بازی کرے گی۔

جن کو مزید اس باب میں دلائل وتفصیل درکار ہو، وہ فتح المغیث رسخاوی وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔

شیعہ امامیہ مذکورہ بالا ثبوت ودلیل کے باوجود صحابہ کے بعض واقعات کو سند بنا کر اور فاسد تاویلات کر کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تمام صحابہ عادل نہیں۔اس کا سبب اس باب میں ان کے کچھ شبہات ہیں۔ یہاں پر میں صرف ایک شبہ اور اس کا جواب ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

شیعہ امامیہ کہتے ہیں: اکثر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر شام سے آنے والے قافلہ کی طرف متوجہ ہوگئے، انہیں خطبہ جمعہ میں تنہا چھوڑ دیا اور لہو ولعب کی طرف متوجہ ہوکر تجارت میں مشغول ہوگئے، ان کا یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سب اللہ تعالی کے فرماں بردار اور دیندار نہیں۔

جواب: یہ واقعہ زمانہ ہجرت کے شروع میں واقع ہوا، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کما حقہ آداب شریعت سے واقف نہیں تھے، نیز ایسا بھی نہیں کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے، بلکہ اکابر صحابہ کرام جیسے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے، اور یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی، آپ فرماتے ہیں: حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوکر خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں مدینہ شریف کا قافلہ آ گیا تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف تیزی سے چلے گئے، یہاں تک کہ صحابہ میں سے صرف بارہ لوگ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے، انہیں میں سے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی تھے، اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَ اِذَا رَأَوا تِجَارَةً أَوْ لَهْوا انفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَائِمًا﴾ (سورہ جمعہ: آیت:۱۱) ترجمہ: اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا، اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں خطبہ میں کھڑا چھوڑ گئے۔ (کنز الایمان) (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر: اذا رأوا تجارۃ أولھوا من سورۃ الجمعۃ، ج ص، رقم:)

اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کوئی طعن وتشنیع نہیں کی، اور نہ ہی عذاب کی وعید فرمائی، اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی عتاب نہیں فرمایا، اور جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اس فعل پر کوئی طعن وتشنیع نہیں کی تو پھر کسی کا حق نہیں بنتا کہ اس واقعہ کی وجہ سے ان کی ذات پر انگشت نمائی کرے، اور انہیں اللہ تعالیٰ کا نافرمان قرار دے.....جاری.

اہل قلم توجہ دیں!

قلم کار حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے گراں قدر مضامین صاف لکھ کر ارسال فرمائیں۔کمپوز شدہ تحریران پیج کی فائل میں بھیجیں تو اس سے آپ کی تحریر میں غلطیوں کے امکانات کم ہوں گے۔اپنے مضامین مختصر اور چھوٹے لکھیں، جو دو تین یا چار صفحات تک محدود ہوں، زبان عام فہم استعمال کریں اور اپنی تحریر میں حوالے کا التزام کریں۔حوالہ اس طرح دیں:

آیتیں: سورہ کا نام اور آیت نمبر۔

حدیث: کتاب/باب/صفحہ/حدیث نمبر/راوی کا نام۔

دیگر مواد: کتاب/مصنف/باب/صفحہ/مطبوعہ

اپنی نگارشات کے اخیر میں اپنا نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔

اطلاعاً عرض ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت میں ایسا مضمون شائع نہ ہوگا جو کسی رسالے میں شائع ہو چکا ہے۔لہٰذا اپنا غیر مطبوعہ مضمون ہی ارسال کریں۔مہینے کی پانچویں تاریخ تک مضامین، اور دس تاریخ تک رپورٹس اور تأثرات ادارے کو موصول ہو جائیں تو ہمیں شائع کرنے میں آسانی ہوگی۔

تفصیلات کے لیے فون کریں۔یا ای میل سے رابطہ کریں:

paigameshariat@gmail.com

اسلاموفوبیا اور مسلمانان عالم

از: مولانا سید شہباز اصدق (سہسرام)

پروفیسر جوڈ نے لکھا ہے۔''وہ مشترک جذبات جو جمہور کی بڑی بڑی جماعتوں کو حرکت میں لاسکتے ہیں، وہ رحم، فیاضی اور محبت کے جذبات نہیں، بلکہ نفرت اور خوف کے جذبات ہیں۔ جو لوگ کسی قوم پر کسی مقصد کے لیے حکمرانی چاہتے ہیں، وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک اس قوم کے لیے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کرلیں ،جس سے وہ نفرت کرے، اور اس کے لیے کوئی ایسی شخصیت یا قوم نہ پیدا کرلیں جس سے وہ ڈرے۔ میں ہی اگر قوم کو متحد کرنا چاہوں تو مجھے چاہیے کہ میں ان کے لیے کسی اور سیارہ پر کوئی دشمن ایجاد کروں مثلاً چاند پر جس سے یہ سب قومیں ڈریں''۔(Guide to modern wickedness Page 150,151)

نفرت وخوف کے ذریعہ دوسروں پر تسلط وحکمرانی کا یہی وہ مغربی فلسفہ اور نظریہ ہے، آج جس کا استعمال اسلام دشمن عناصر کی طرف سے پوری شدت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہو رہا ہے۔ اسلام دشمن عناصر غلط پروپیگنڈوں کے سہارے اسلام اور مسلمانوں کی تصویر انتہائی بدنما شکل میں اقوام عالم کے سامنے پیش کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں، گویا کہ اسلام امن کی بجائے دہشت کا، اخلاق کی بجائے بد اخلاقی کا، اخوت ومساوات کی بجائے نفرت وفرقہ پرستی کا، وسعت نظری کی بجائے تنگ نظری کا علمبردار ہے۔ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق اسی منفی ذہنیت اور بے جا خوف ونفرت کا خلاصہ ''اسلاموفوبیا'' ہے۔

اسلاموفوبیا کیا ہے؟

اسلاموفوبیا کی اصطلاح دو لفظوں سے مرکب ہے۔ اسلام اور فوبیا۔ ان دونوں لفظوں کے بیچ میں انگریزی زبان کا حرف ''O'' بڑھا دیا گیا ہے۔ فوبیا کا لغوی معنی بے جا خوف ونفرت ہے۔ اس طرح اسلاموفوبیا کا معنی اسلام سے بے جا خوف ونفرت اور مسلمانوں کے سلسلے میں منفی ذہنیت رکھنا ہے۔

wikipedia میں اسلاموفوبیا کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا :

"Islamophobia is the fear and hatred of Islam, Muslims or Islamic culture. Islamophobia can be characterised by the belief that all or most Muslims are religious fanatics, have violent tendencies towards non-Muslims, and reject as directly opposed to Islam such concepts as equality, tolerance and democracy".(wikipedia)

یعنی اسلاموفوبیا سے مراد اسلام، مسلمان اور اسلامی ثقافت سے اظہار نفرت ہے۔ اس کی تشریح اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ ایک ایسا نظریہ جو سمجھتا ہے کہ تمام یا اکثر مسلمانوں میں مذہبی تشدد ہوتا ہے۔ وہ غیر مسلموں کے متعلق جارحانہ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ مساوات، رواداری اور جمہوریت کے تصور کو مسلمان یہ سمجھ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ سب ان کی مذہبی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

''اسلاموفوبیا'' کی اصطلاح گرچہ جدید ہے،لیکن اس کی اصل اور بنیاد روز اول سے پائی جاتی رہی ہے۔ ہر دور اور ہر عصر کے دشمنان اسلام نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے نفرت وعداوت کا سہارا لیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر ایک کا طریقہ کار جداگانہ تھا۔

ڈاکٹر عبدالجلیل ساجد نے لکھا کہ اسلاموفوبیا اس وقت سے موجود ہے، جب سے اسلام کا وجود ہے۔ تنظیم اسلامی کانفرنس نے اپنی رپورٹ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ڈاکٹر موصوف کی عبارت درج ذیل ہے۔

"Islamophobias have existed in Varying strains throughout history, With each version possessing its own distinct features as well as similarities or adaptations from others. An observatory report on Islamophobia by the Organisation of the Islamic Conference similarly states that Islamophobia has existed for as long as Islam itself."(Islamophobia: A new word for an old fear)

الحاصل اسلاموفوبیا ایک نئی اصطلاح ہے۔اب رہا یہ سوال کہ یہ اصطلاح کب معرض وجود میں آئی؟ اور کب مشہور ہوئی؟ اس کی وضاحت درج ذیل ہے۔

ایک ریسرچ اسکالر کی رائے ہے کہ اس اصطلاح کو ۱۹۲۱ء میں سب سے پہلے فرانسیسی مستشرق (Etienne Diet) نے استعمال کیا۔اس کے بعد ۱۹۹۱ء میں ایک امریکی رسالہ Insight Magazine میں یہ اصطلاح استعمال ہوئی۔ اس اصطلاح کو شہرت اس وقت ملی، جب ۱۹۹۷ء میں برطانیہ کے ایک مشہور ادارہ Runnymeda Trust نے اسلاموفوبیا کے موضوع پر ایک تفصیلی رپورٹ اس عنوان سے شائع کی۔ :Islamphobia A challenge for us all

جنوری ۲۰۰۱ء میں Stock Holm International forum نے Anti-semitism اور Xenophobia کی طرح اس لفظ کو بھی نسل پرستی اور عدم رواداری کے دائرہ میں شامل کرلیا۔ 11 ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے بعد اسلام فوبیا کا لفظ کثرت سے استعمال ہونے لگا ۔(اقلیتوں کے حقوق اور اسلام فوبیا ص ۴۲۵)

اسلاموفوبیا کے عفریت نے حالیہ سالوں میں پوری دنیا کو اپنے پنجہ استبداد میں جکڑ لیا ہے ۔دنیا کے بیشتر حصوں میں اسلاموفوبیا کے واقعات رونما ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ برطانیہ میں ہونے والے ایک حالیہ سروے میں اہل برطانیہ سے پوچھا گیا کہ ان کے ملک میں آباد مسلمانوں کا فی صد کیا ہے؟ اہل برطانیہ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ برطانیہ میں موجودہ مسلمانوں کی تعداد مجموعی آبادی کا 21: فیصد ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی 05: فیصد ہے۔ امریکا میں مذکورہ سوال کے جواب میں لوگوں نے بتایا کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی 15: فیصد ہے جب کہ امریکا میں مسلمانوں کی آبادی مجموعی آبادی کا صرف ایک فی صد ہے۔ فرانس کے لوگوں کے سامنے مذکورہ سوال رکھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ فرانس میں مسلمانوں کی آبادی 31: فیصد ہے، حالانکہ فرانس میں مسلمانوں کی آبادی مجموعی آبادی کا 08: فیصد ہے۔

اس سروے سے یہ حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے کہ مغربی ممالک کے ارباب اقتدار کے علاوہ وہاں بسنے والے لوگ بھی اسلاموفوبیا کے شکار ہیں ۔دنیا کے نقشے میں امریکہ اپنی امتیازی شان کے ساتھ موجود ہے۔ سیکولرزم کی دہائی دینے والا یہ ملک ''اسلاموفوبیا'' کا سب سے زیادہ شکار ہے۔ بلاشبہہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے اور اقوام عالم کو اسلاموفوبیا کا مریض بنانے میں امریکہ نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ یہاں کے ارباب

اقتدار اور تعلیم یافتہ افراد آئے دن نت نئے انداز سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرتے رہتے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے منتخب نمائندہ کیتھ ایلی سن (Keith Ellison) نے دسمبر ۲۰۰۶ء میں قرآن مجید پر حلف لینے کی خواہش ظاہر کی تو ایک دوسرے نمائندہ ورجل (virgil) نے اسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی روایت واقدار کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوئے کہا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ اگلی صدی میں مسلمان لوگ اس ملک میں بہت زیادہ ہو جائیں گے''۔ (اقلیتوں کے حقوق اور اسلاموفوبیا ص ۵۱۹)

امریکی ٹی وی چینل اے، بی سی، نیوز کے ایک سروے کے مطابق ہر دس میں چھ یعنی 60: فیصد امریکی یہ گمان رکھتے ہیں کہ اسلام تشدد اور انتہا پسندی کی جانب مائل ہے۔ تقریباً نصف امریکہ اس مذہب کو پسند نہیں کرتا۔ وہاں کے 27: فی صد لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں اور عربوں دونوں کے خلاف یکساں متعصّبانہ احساسات رکھتے ہیں۔ پیو رپورٹ (Pew Report) نے انکشاف کیا ہے کہ بالغ عمر کے ہر 10: امریکیوں میں تقریبا 6: امریکی مسلمانوں کو دوسری اقلیتوں کے افراد کے مقابلہ میں زیادہ لائق تضحیک وتعصب سمجھتے ہیں۔

نائن الیون یعنی 11 ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر ڈرامائی حملہ کے بعد امریکہ اور اس کے ہمنواؤں کی طرف سے ''اسلاموفوبیا'' کا جو ننگا ناچ کھیلا گیا، وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اسلام کو دہشت گردی کا مذہب، قرآن مجید کو دہشت گردی کی تعلیم پر مشتمل کتاب، پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دہشت گردی کا داعی اور مسلمانوں کو دہشت گردی کا علم بردار کہہ کر مسلمانوں کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی، جو آج تک جاری ہے۔ حالیہ دنوں میں اعلیٰ امریکی حکام نے یہ اعلان کیا تھا کہ صدر ٹرمپ ''یروشلم'' کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کر سکتے ہیں۔ وزارت خارجہ کو حکم دیا جا سکتا ہے کہ وہ امریکی سفارت خانے کو ''تل ابیب'' سے ''یروشلم'' منتقل کرنے کا عمل شروع کر دیں۔ (B.B.C.NEWS نیٹ سے ماخوذ)اس خبر کے بعد دنیا بھر کے ممالک نے امریکہ اور امریکی صدر ٹرمپ کی چوطرفہ تنقید کی ہے، جس کے بعد ٹرمپ نے یروشلم کو اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کرنے کے اپنے فیصلے کو التوا میں ڈال دیا ۔

کون نہیں جانتا کہ یروشلم میں مسلمانوں کا مقدس مقام اور اسلام کا تیسرا سب سے محترم مقام مسجد اقصیٰ ہے، جہاں آج صیہونیت اپنے تمام تر مظالم کے ساتھ اپنے بال وپر پھیلائے ہوئے ہے، اور وہاں بسنے والے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیے ہوئے ہے۔ ایسے میں ٹرمپ کا یہ فیصلہ ''اسلاموفوبیا'' کا شاخسانہ نہیں تو اور کیا ہے۔

۲۰۱۷ء میں ٹرمپ کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے امریکہ میں اسلاموفوبیا کو بڑی شدت کے ساتھ فروغ ہو رہا ہے۔ کونسل آن امیریکن اسلامک ریلیشن کے بانی رہنما ابراہیم ہوپر نے اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ٹرمپ کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے نسل پرست سفید فاموں نے پھر سے سر اٹھالیا ہے۔ نہ صرف مسلمان، بلکہ رنگین فام امریکی شہریوں میں بھی ٹرمپ کے نسل پرستانہ اقدامات سے خوف وہراس پایا جاتا ہے۔ امریکی صدر کے بیانات اور اقدامات نے اسلاموفوبیا کو نئے مرحلے میں داخل کر دیا ہے۔ کونسل کے کوآرڈی نیشن شعبے کی انچارج زینب آرائین نے بھی پچھلے دنوں بتایا تھا کہ سال ۲۰۱۷ء میں امریکا کے اندر اسلاموفوبیا پھیلانے کے واقعات ہمیشہ کے مقابلے میں سب سے زیادہ ریکارڈ کیے گئے ہیں۔ (ٹرمپ کے دور میں اسلاموفوبیا میں اضافہ: نیٹ سے ماخوذ خبر)

اسلاموفوبیا کے سلسلے میں یورپی ممالک بھی امریکہ سے کچھ پیچھے نہیں ہیں۔ یورپین ممالک کی اسلام اور مسلمانوں سے نفرت وعداوت جگ ظاہر ہے۔ ویانا کے ادارے سے شائع ہونے والی رپورٹ کے حوالے سے پروفیسر عبد الرحمٰن مومن نے لکھا۔ ''رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ اسلاموفوبیا کے نام پر مسلمانوں کے خلاف امتیاز اور انہیں معاشی ومعاشرتی اعتبار سے الگ تھلگ کر

دینے کے رویے سے مسلمانوں میں شدید بے اطمینانی اور مغایرت کا احساس ابھر رہا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ یوروپین یونین کے ممالک میں مسلمانوں کو مذہب، رنگ، نسل اور قومیت کی بنیاد پر تفریق اور تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ان کے خلاف روایتی تعصب برتا جاتا ہے۔ میڈیا میں ان کے خلاف منفی انداز کی خبریں دی جاتی ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے کم حصہ ملتا ہے۔ تعلیم کے میدان میں بھی انہیں ترقی کے بہتر مواقع حاصل نہیں ہیں۔ ملازمت کے دروازے بھی ان پر کھلے نہیں ہیں''۔ (اقلیتوں کے حقوق اور اسلام فوبیا ص ۴۸۲)

یورپی ممالک میں فرانس ایک ایسا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں۔ رومن کیتھولک مذہب کے بعد دین اسلام فرانس کا سب سے بڑا مذہب ہے، لیکن وہاں اسلاموفوبیا کی وبا بری طرح پھیل چکی ہے۔ 13 دسمبر ۲۰۰۹ء کو جنوبی فرانس میں واقع کا ستر ے (castres) کی مسجد کی سخت بے حرمتی کی گئی، دیواروں پر جرمن، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں مسلم مخالف نعرے لکھے گئے، اور دروازے پر خنزیر کی ٹانگیں لٹکا دی گئیں۔

۲۰۱۰ء میں سب سے پہلے فرانس نے ہی اسلامی حجاب پر سوالیہ نشان قائم کیا اور فرانس میں اس پر مکمل طور سے پابندی عائد کر دی، اور اس کی مخالفت پر 2.5: امریکی ڈالر کے مساوی جرمانہ عائد کر دیا گیا، جس کی وجہ سے فرانس میں بسنے والے مسلمانوں کو اپنے مذہب کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس قسم کی اسلام مخالف سرگرمیوں کی اطلاع اکثر فرانسیسی میڈیا کی سرخیوں میں آتی رہتی ہیں، جس سے فرانس میں اسلاموفوبیا کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرانس کے علاوہ اسپین، بلجیم، اطالیہ، سویٹزرلینڈ، ڈنمارک، ہالینڈ، روس، اور چین کے شہر ارومچی میں اسلام کے نظریہ حجاب کو موضوع بحث بنایا گیا اور مذکورہ ممالک میں سے بعض نے مکمل اور بعض نے غیر ضروری پابندیاں عائد کر دی ہیں، جو ان ممالک میں اسلام فوبیا کا غماز ہے۔

چینی میں اسلام کی توہین اور مسلمانوں کے ساتھ ظلم و جبر کا سلسلہ قدیم ہے۔ چین کی حکومت مسلمانوں کو سفر حج، روزہ اور قرآن کی تعلیم سے بھی روکتی ہے۔ حال ہی میں مرکزی چین میں واقع شہر نانگانگ میں جب ایک مسجد بننے کی تجویز منظور ہوئی تو وہاں کے مقامی لوگوں نے اس کی بہت مخالفت کی۔ نانگانگ میں جس جگہ مسجد تعمیر ہونی ہے، وہاں زمین میں ایک خنزیر کا سر دبا دیا گیا۔ درجنوں کی تعداد میں مقامی لوگوں نے جھنڈے اور بینر ہاتھ میں لے کر اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اسلام مخالف نعرے بازی کی، اور امام مسجد کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی۔ چین حکومت نے کچھ دن پہلے حکم دیا تھا کہ شن جانگ میں کوئی بھی داڑھی نہیں رکھے گا۔ اس کے علاوہ چین نے عوامی تعلیمی اداروں میں خواتین کے برقع پہننے پر پابندی لگا دی ہے۔ (اردو خبر کام: چین میں دن بدن مسلمانوں کے خلاف نفرت میں اضافہ)

اسی طرح سوئٹزرلینڈ میں بھی اسلاموفوبیا کے جراثیم انتہائی آب و تاب کے ساتھ پائے جاتے ہیں، چنانچہ ۲۰۰۹ء میں قومی سطح کے ریفرنڈم کے ذریعہ سوئٹزرلینڈ میں مسجد کے میناروں کی تعمیر پر پابندی لگا دی گئی۔ ایکتا نیوز کے مطابق ۲۰۱۵ء میں سوئٹزرلینڈ کے ایک سیاست داں والتر وابمن نے مطالبہ کیا تھا کہ عراق اور شام وغیرہ سے مسلمان پناہ گزینوں کو قبول کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔ (ایکتا نیوز ۲۰۱۵)

امریکہ اور یورپی ممالک میں اسلام مخالف تشدد اور نفرت کے چند واقعات بطور نمونہ ہیں، ورنہ دنیا کے اکثر حصوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کم و بیش یکساں حالات ہیں۔ اب تک تو مغربی ممالک میں موجود اسلاموفوبیا کا شجراتی تذکرہ تھا۔ اگر آپ بات کریں وطن عزیز ہندوستان جنت نشان کی تو یہاں بھی اسلام فوبیا کے گہرے اثرات موجود ہیں۔ میرٹھ کا ۱۹۸۱ء کا ہاشم پورہ قتل عام، آسام میں ۱۹۸۳ء کا نیلی قتل عام۔ ۲۰۰۲ء میں گودھرا فسادات ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت ہندوستان میں اسلام فوبیا کے

شدید اثرات کا ہی نتیجہ ہے۔

سچر کمیٹی رپورٹ میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ سرکاری ملازمتوں، سماجی اور سیاسی اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی تشویش ناک حد تک کم ہے، مثلاً مغربی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب 27: فی صد ہے، لیکن سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب بمشکل 3: فی صد ہے۔

تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اگر حالیہ تشدد اور دین میں بے جا مداخلت کی بات کریں تو ملک کی افسوسناک صورت سامنے آتی ہے۔صرف اس ایک سال میں مسلمانوں کے قتل عام اور اسلام میں مداخلت کے ایسے ایسے حادثات وواقعات رونما ہوئے ہیں، جس سے گنگا جمنی تہذیب کا دامن تار تار ہوگیا ہے۔ ہندوؤں کی متشدد تنظیموں کی جانب سے لو جہاد کے نام پر، گئو رکھشا کے نام پر، گھر واپسی کے نام پر اب تک سینکڑوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔گزشتہ دنوں راجستھان سے ایک ایسی ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی ہے، جس میں شمبھو بھوانی لال نامی ایک ہندو نے مغربی بنگال کے شیخ افروز الاسلام نامی ایک مسلمان مزدور کو بری طرح سے ہلاک کردیا۔اس بیچارے مزدور کو کلہاڑی کے مسلسل وار سے قتل کیا۔قتل کے بعد اس کی لاش پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔اس بہیمانہ قتل کی ویڈیو بھی بنوائی، تاکہ پوری دنیا ایک انسان نما درندے کی وحشت وبربریت کے گھناؤنے کھیل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔مسلمانوں کے خلاف وحشت وبربریت کا یہ بدترین کھیل صرف راجستھان میں نہیں کھیلا جارہا ہے، بلکہ ملک کی تقریباً تمام ریاستیں اسلاموفوبیا سے سخت متاثر ہورہی ہیں۔

ابھی تازہ اور نہایت روح فرسا واقعہ آندھرا پردیش کے شہر راج مندری میں پیش آیا۔28 دسمبر ۲۰۱۷ء کی رات کو راج مندری سے دس کیلو میٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں ''تالہ چیرو'' میں ''مسجد نورانی'' کے اندر چند فرقہ پرست عناصر داخل ہوئے۔مسجد میں سوئے ہوئے مؤذن اور نائب امام فاروق حسین کو بڑی بے دردی اور وحشیانہ انداز میں مار مار کر ہلاک کردیا۔منبر کے پاس موجود قرآن مجید اور دیگر کتب حدیث کو نذر آتش کردیا اور مسجد میں توڑ پھوڑ بھی کی۔(ملک میں بڑھتی ہوئی شر پسندی ایک لمحہ فکریہ :مضامین کام)

آندھرا پردیش کے حالات دوسری ریاستوں کے مقابلے میں بہتر اور پر امن تصور کیے جاتے رہے ہیں، یہاں بھی ایسے واقعات کا رونما ہونا ہندوستان میں اسلاموفوبیا کی ایک گہری اور منصوبہ بند سازش کا نتیجہ ہے۔ حال ہی میں ہندوستان کی ایک شدت پسند سیاسی تنظیم شیوسینا کے ایک فرد لکھن سنگھ نے دھمکی بھرا ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل کیا ہے۔

اس ویڈیو میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ العزیز کے آٹھ سو سالہ قدیم روضہ مبارکہ کو ہندو مندر بتایا گیا ہے، اور بابری مسجد کی طرح روضہ مقدسہ کو منہدم کرنے کے لیے ابھارا گیا ہے۔(انڈین نیوز: وائرل یوٹیوب)

یہ روضہ مقدسہ آٹھ سو سال سے ہندوستان کی نظر میں یکساں احترام اور عقیدتوں سے دیکھا جارہا ہے۔اب اس سے متعلق ایسا خوفناک بیان یقیناً ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب سے منحرف ہونے کا پتہ دیتا ہے؟ یہ بھگو تنظیموں کی گود میں پروان چڑھنے والے اسلاموفوبیا کا نتیجہ ہے۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق برسر اقتدار پارٹی کا رویہ بھی تشویشناک ہے۔ آئے دن حکومت کی طرف سے نظام اسلام کو موضوع بحث بنا کر اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے۔دور کیوں جائیں، ابھی 28 دسمبر ۲۰۱۷ء کے بعد سرخیوں میں رہنے والی درجہ ذیل خبر ملاحظہ کریں۔

نئی دہلی (ایجنسیاں) اپوزیشن کے مزید احتجاج اور مسلمانوں کی تشویشات کو نظر انداز کرتے ہوئے مودی حکومت نے

جمعرات (28 دسمبر) کو لوک سبھا میں تین طلاق کو قابل تعزیر جرم قرار دینے والا بل بنام ''مسلم ویمن پروٹیکشن آف رائٹس آن میرج بل'' پیش کیا، اور اسے صوتی ووٹوں سے پاس بھی کرالیا۔ اس بل میں بیوی کو ایک نشست میں تین طلاق دینے والے شوہر کے لیے تین سال تک کی سزا کی تجویز ہے، جس کی نہ صرف مسلمانوں کی جانب سے شدید مخالفت کی جارہی ہے، بلکہ 4 جنوری ۲۰۱۸ء کو راجیہ سبھا میں بل پیش کیے جانے کے وقت اپوزیشن نے بھی متحد ہو کر اس پر نظر ثانی اور ترمیم کا پرزور مطالبہ کیا، لیکن مودی حکومت ان سوالوں اور ترمیم کے مطالبات کو پوری طرح نظر انداز کر کے مسلم خواتین کے تحفظ اور مسلم مسائل کے تعلق سے سنجیدہ ہونے کا ایسا دعویٰ کر رہی ہے جیسے مسلم مسائل کی اس سے زیادہ فکر کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔

حکومت کی بدنیتی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس بل کا مسودہ تیار کرنے کے دوران مودی حکومت نے نہ مسلم پرسنل لا بورڈ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا اور نہ ہی مسلم تنظیموں یا خواتین تنظیموں سے کوئی رابطہ کیا، حتی کہ طلاق شدہ خواتین کے درمیان کام کرنے والی تنظیموں سے بھی اس سلسلے میں کوئی رابطہ نہیں کیا گیا۔ بلاشبہ بی جے پی حکومت کی جانب سے تین طلاق کے بارے میں جو بل لوک سبھا میں پاس کیا گیا ہے، وہ مسلم پرسنل لا میں بے جا مداخلت اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے اور ان کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کا کام ہے۔ تین طلاق کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، اور اگر کوئی تین طلاق دیدے تو اس پر کوئی شرعی تعزیر بھی نہیں ہے۔ ایسے میں حکومت کی جانب سے مذکورہ بل کا نفاذ واضح طور پر شریعت میں مداخلت ہے، جس سے حکومت کی مسلم دشمنی صاف ظاہر ہورہی ہے۔ عصر حاضر میں ہندوستان کے مسلمان بتیس دانتوں کے درمیاں ایک زبان کی حیثیت رکھتے ہیں، جنھیں ان سب دشمنوں کے سامنے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تدبیر کرنی ہے۔

ایسے سنگین حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنی جماعتوں میں کم از کم سیاسی محاذ پر اتحاد کا مظاہرہ کرنا پڑے گا، اور تحفظ شریعت کے لیے بنگال کی کھاڑی سے کنیا کماری تک افراد امت کو متحد ہوکر اپنی اجتماعی قوت کو منوانا پڑے گا۔ جب نفرتوں کی بنیاد پر حکومت کرنے والے ارباب سیاست اور اسلاموفوبیا کی شکار متشدد تنظیموں کو مسلمانوں کے عزم مصمم اور ان کی دینی حمیت کا اندازہ ہوجائے گا، تب مسلمانوں کو چیلنج کرنے والا کوئی نظر نہ آئے گا اور بقول شاعر ؎

یہ نفرتوں کی فصیلیں جہالتوں کے حصار
نہ رہ سکیں گے ہماری صدا کے رستے میں

☆☆☆

معزز قارئین!

ماہنامہ پیغام شریعت اگر آپ کے پتے پر پہنچ رہا ہے تو اس کی اطلاع ہمیں ضرور دیں۔ تاکہ رسالے کی ترسیل کو آسان اور بہتر بنایا جاسکے۔ ساتھ ہی اگر آپ اس رسالے کے قاری ہیں تو چند سطروں میں رسالے کے مشمولات اور مضامین پر اپنی رائے کا اظہار کردیا کریں، اس سے ہمیں آپ کے لیے رسالے کو بہتر اور مفید بنانے میں آسانی ہوگی۔ اور اگر آپ اس رسالے کے ممبر بننا چاہتے ہیں تو اپنا مکمل پتہ 9911062519 پر میسیج کریں، حافظ کمیل احمد سے رابطہ کریں اور ساتھ میں 150 روپے ممبر شپ فیس رسالے کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کر کے اطلاع دیں۔

رابطہ حافظ کمیل احمد:

08090753792

بینک اکاؤنٹ کی تفصیل

India Bank

Name: Paighameshariat

AC. 6409744750

IFSC IDIB000J033

اردو علامات ومخففات

از: مولانا حسان المصطفیٰ قادری امجدی، جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

آپ بخوبی جانتے ہوں گے کہ ہر زبان کی تحریری شکل میں میں کچھ نہ کچھ علامات ومخففات ہوتی ہیں۔اس زبان سے ربط وضبط رکھنے والے کو ان علامات ورموز سے واقف وآشنا ہونا ضروری ہے۔ابتدائی زمانہ طالب علمی میں مطالعہ کے دوران، بہت سی ایسی علامات ومخففات ہماری نگاہوں سے گذرتی تھیں، جن سے ہم ناآشنا تھے۔اس وقت ان علامتوں پر ایک اجنبی سی نگاہ ڈال کر گذر جاتے تھے۔البتہ یہ تجسس ضرور رہتا تھا کہ ان علامتوں کا مطلب ومقصد کیا ہے؟ ہر زبان وادب کے متعلقین کو اس زبان کے ادبی اسرار ورموز، علامات واوقاف سے آشنا ہونا لازم ہے، تاکہ ان علامات واوقاف کے مطالب ومقاصد کو سمجھ سکیں۔

قرآن وحدیث اور دینی علوم سے منسلک ہونے کے باوجود، ہماری تمام سرگرمیاں اردو زبان سے ہی تعلق رکھتی ہیں، خواہ ہماری تدریس وتعلیم ہو، یا تقریر وتبلیغ، ہمارے مقالات ومضامین ہوں، یا کتابیں وفتاویٰ، سب کے سب اردو زبان ہی میں ہوتے ہیں۔جب اردو سے ہمارا رشتہ اس قدر گہرا ہے، تو پھر اردو ادب سے بے توجہی، اردو قواعد وضوابط سے بے اعتنائی، کیا باعث تشویش نہیں؟ اہل علم وفکر اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہمارے لیے اردو ادب کا مطالعہ، اردو رموز ونکات سے آگاہ ہونا کس قدر ضروری ہے۔بعض علامتیں اب دستی کتابت تک محدود ہوچکی ہیں، جبکہ بہت سی علامتیں کمپوزنگ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

جنوری ۲۰۱۸ء کے شمارہ میں ہم نے اردو رموز اوقاف کا تعارف اور اس کے فوائد سپرد قرطاس کیے تھے۔ہمارا حالیہ موضوع ''اردو علامات ومخففات'' ہے۔بلاشبہ یہ علامات ومخففات تحقیقی ذہن رکھنے والے اصحاب علم ودانش کے لیے انتہائی اہم اور فائدہ بخش ہیں۔ اردو زبان وادب کے ماہرین ومحققین اردو علامات ومخففات کے طور پر جن نشانات کا استعمال کرتے ہیں، ان میں سے اہم اور کثیر الاستعمال علامتوں کا تعارف اور ان کا محل استعمال مندرجہ ذیل ہے۔

(~) یہ تخلص کی علامت ہے۔تخلص اس نام کو کہتے ہیں، جسے شاعر یا ادیب اپنے اصل نام کی جگہ منتخب کرلیں، یا وہ مختصر سا نام، جسے شعرا اپنی شاعری میں استعمال کرتے ہوں۔اس علامت کو تخلص کے اوپر لگایا جاتا ہے۔جیسے: امام احمد رضاؔ خان، اخترؔ رضا خان، ڈاکٹر اقبالؔ، اکبرالہ آبادی۔دراصل یہ نشان ''برائے تخلص'' کا مخفف ہے۔برائے سے ''ب'' اور تخلص سے ''ت'' کو لیا گیا، تو ''بت'' بنا، پھر ''بت'' کے نقطوں کو حذف کرکے اسے مزید تخفیفی صورت دی گئی، اور یہی تخفیفی صورت مذکورہ علامت بنی۔

شعرا حضرات کبھی کبھی اپنا نام، مقطع کے شعر میں اس طرح ذکر کرتے ہیں، کہ اگر تخلص کی علامت نہ لگائی جائے، تو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ لفظ شاعر کا تخلص ہے، یا شعر ہی کا حصہ ہے۔مثلا: ''نوازؔ اعظمی گھوسوی کا یہ مقطع دیکھیں:۔

آقا نواز دیجے ہم آپ کے ہیں منگتے
اب آپ ہی کے در پر دامن بچھا دیے ہیں

یسی صورت میں علامت تخلص ضرور لگائی جائے، تاکہ واضح ہوجائے کہ یہ لفظ یہاں پر بطور تخلص ہے، اگر چہ ضمناً کچھ اور مفہوم بھی رکھتا ہو۔

(---) خاص نام یا خاص جملوں کے اوپر ایک متصل لکیر کھینچ دی جاتی ہے، اس کا مقصد نشان زدہ لفظ یا عبارت کو ممتاز اور نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ یہ علامت مختلف مواقع پر استعمال کی جاتی ہے۔

(۱) جب جملے میں کسی خاص نام یا کسی خاص جملہ کو نمایاں کرنا مقصود ہو۔ خواہ وہ انسان کے نام ہوں، کتابوں یا شہروں کے نام ہوں، یا کسی اور چیز کے نام ہوں۔ ایسے ناموں یا جملوں پر ایک لکیر سی کھینچ دی جاتی ہے۔ لکھنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عبارتوں کے ہجوم میں، اس خاص لفظ یا خاص جملہ کو اس طرح ممتاز کیا جائے، کہ پڑھنے والا فوراً اس خصوصیت کو بھانپ لے، وہ لفظ دوسرے الفاظ کی طرح جزو عبارت بن کر، اپنی انفرادیت اور راقم کے مقصد کو فوت نہ کردے۔

(۲) جب کسی جملے پر تبصرہ یا کسی طرح کی تنقید کرنی ہو، یا کسی جملے کی تردید کرنی ہو، تو ایسی صورت میں اس جملے کو واضح اور ممتاز کرنے کے لیے، اس جملے کے اوپر یہی لکیر کھینچ دی جاتی ہے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پورے جملے یا کئی جملوں پر یہ خط کھینچ دیا جاتا ہے، یہاں بھی مطمح نظر کسی خاص سبب سے اس جملے کو ممتاز کرنا ہوتا ہے اور قاری کو بیک نگاہ اس مقصد تک پہنچانا ہوتا ہے۔ کمپیوٹر کے اس دور میں کسی جملے یا نام کو ممتاز کرنے کا ایک نیا طریقہ یہ بھی رائج ہو گیا ہے، کہ اس جملے یا نام کو موٹے اور جلی حروف میں لکھ دیا جائے۔

(۴) کبھی کبھی اس خط کا استعمال اس وقت بھی ہوتا ہے، جب ایک بات مکمل ہوجائے، اور پیراگراف بدل کر کوئی نئی بات شروع کرنی ہو، لیکن کسی خاص بات کا ذکر باقی رہ گیا ہو، اور اس صورت میں لکھنے والا پیراگراف بدلنا نہ چاہے، یا پیراگراف بدلنا ہی مناسب نہ ہو، تو ایسے مواقع پر پہلے جملے کے اختتام پر علامت ختمہ (فل اسٹاپ) کی بجائے، اسی خط کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً'': سجدہ سہو کا بیان تو مکمل ہوگیا_____ہاں، ایک بات یہ رہ گئی تھی کہ...''

(۵) یہ نشان کبھی اعداد کے درمیان بھی لگایا جاتا ہے، جہاں یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ باب یا یہ بیان فلاں صفحہ سے لے کر فلاں صفحہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جیسے: ''نماز کا باب: ۱---۸۰'' یعنی نماز کا باب صفحہ ۱ سے صفحہ ۸۰ تک محیط ہے۔ اعداد کے درمیان اس علامت کا استعمال زیادہ تر پرانی کتابوں کی فہرست مضامین میں ملتا تھا، اب فہرست مضامین کے لیے یہ طریقہ نظر نہیں آتا۔ اعداد کے درمیان اس علامت کا استعمال اس وقت بھی ہوتا ہے، جب کسی کتاب کی طویل عبارت کو دو، تین صفحات سے نقل کر کے حوالہ دینا ہو، ایسی صورت میں کتاب کا حوالہ دینے کے وقت، پہلے اور آخری صفحہ کا نمبر لکھا جائے گا اور ان کے درمیان یہی علامت لگائی جائے گی۔ مثلاً: ہم نے فتاویٰ رضویہ جلد ۵ کے، ۱۵، ۱۶، اور ۱۷ صفحہ سے کوئی عبارت بطور دلیل پیش کی، اور اب اس اقتباس کا حوالہ دینا ہے تو ہم یوں لکھیں گے: (ج ۵ ص ۱۵---۱۷) یعنی ہماری منقولہ عبارت، فتاویٰ رضویہ جلد ۵ کے ۱۵، ۱۶، اور ۱۷ صفحہ سے ماخوذ ہے۔

فتویٰ نویسی کے وقت بھی اس علامت کا استعمال ہوسکتا ہے۔ فتویٰ لکھنے میں عام طور پر ایک سوال نمبر کے تحت جتنے سوالات ہوتے ہیں، سب کے جوابات ایک ہی پیراگراف کے اندر لکھے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں پیراگراف بدلنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ البتہ ایک سوال نمبر کا جواب مکمل ہونے کے بعد دوسرے نمبر کا جواب لکھنے کے لیے پیراگراف بدلنا معیوب نہیں، اگر چہ بعض لوگ اس صورت میں بھی پیراگراف نہیں بدلتے۔ اس لیے جب ایسی صورت ہو کہ بات مکمل ہوگئی ہے اور پیراگراف بدلنا ہے، لیکن پیراگراف بدلنا اصول فتویٰ نویسی کے مناسب نہیں، تو ایسے موقع

پر جملۂ ماقبل کے خاتمہ پر علامت ختمہ کی بجائے یہی علامت لگائی جائے،اور بغیر پیراگراف بدلے ہوئے، دوسرا مسئلہ بیان کردیا جائے۔

(...) یہ تین نقطے ہیں۔علامت کے طور پر ان کے استعمال کی چند صورتیں ہیں:

(۱) کبھی اختصار کے سبب یا تکرار سے بچنے کے لیے، کسی عبارت یا شعر کے ابتدائی الفاظ لکھ کر تین نقطے لگا دیے جاتے ہیں۔ اس سے لکھنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس شعر یا عبارت کے ابتدائی الفاظ لکھے گئے ہیں، وہ پورا شعر یا پوری عبارت مراد ہے۔

(۲) کبھی عبارت یا شعر کے شروع اور آخر کے چند الفاظ لکھ کر درمیان میں نقطے رکھ دیے جاتے ہیں۔ مطلب اس کا بھی وہی ہوتا ہے کہ مکمل شعر یا مکمل عبارت مراد ہے۔ان دونوں طریقوں پر اس صورت میں عمل کیا جائے گا ،جب کہ اس شعر یا عبارت کا ذکر پہلے ہو چکا ہو، یا وہ شعر یا عبارت اس قدر مشہور ومعروف ہو کہ قاری کا ذہن فوراً اس کی طرف منتقل ہو جائے۔

(۳) کسی طویل عبارت کے مختلف جملوں کو نقل کرنا ہو ،لیکن مکمل عبارت لکھنا مقصود نہ ہو، بلکہ درمیان کے بعض جملوں کو حذف کر کے مخصوص جملے ہی نقل کرنا ہو، یا عبارت کے ہر ہر جز کو نقل کرنا خلاف منشا ہو ،صرف عبارت کے ضروری اجزا کا ذکر ہی مطلوب ہو، یوں ہی کسی لمبی عبارت کے ''مختلف اجزا'' کو ہی بطور استدلال پیش کرنا ہے،تو ایسی صورتوں میں جہاں جہاں سے عبارت کو چھوڑا جائے گا ،وہاں وہاں پر نقطے لگا دیے جائیں گے،تاکہ واضح ہو جائے کہ کہاں کہاں سے عبارت ترک کی گئی ہے۔

(۴) اسی طرح جب کسی مصرع کو مضمون کی سرخی بنانی ہے ،لیکن مقصد آدھے مصرع سے پورا ہو جاتا ہے،تو نصف مصرع لکھنے کے بعد جس طرف سے بقیہ مصرع حذف کیا جائے گا وہاں پر نقطے رکھ دیے جائیں گے۔

(۵) کسی مخطوطہ یا مطبوعہ ورق کی عبارت کا کوئی حصہ کرم خوردگی ،زمانہ کی طوالت یا کسی اور سبب سے ضائع ہو جائے ،یا ضائع تو نہ ہو، مگر کسی وجہ سے اس حصہ کا صحیح مفہوم واضح ہی نہ ہو سکے،تو ایسی صورت میں جب اس کی نقل تیار کی جائے ،یا اسے دوبارہ طبع کرانا ہو،تو ایسے مقامات پر نقطوں کا استعمال کیا جائے گا،اور ضروری ہوگا کہ حاشیہ میں اس کی صراحت بھی کر دی جائے۔

اردو گرامر کی متعدد کتابوں میں تین نقطوں کا ہی بیان ہے،لیکن بعض لوگ تین سے زائد نقطوں کا بھی استعمال کرتے ہیں۔اس میں کچھ حرج نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ لکھنے والے کا مقصد اس سے ترک عبارت ہی کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔البتہ علامت ختمہ کی جگہ پر نقطوں کا استعمال ،ضرور غلط ہے۔

(ع) یہ علامت مصرع ہے۔کسی بھی طرح کی عبارت لکھتے ہوئے ،درمیان میں اگر کوئی مصرع آجائے ،تو اس علامت کو ضرور لکھا جائے ،جیسے: ''اعلیٰ حضرت ایک عظیم شاعر تھے۔آپ کا ایک مصرع واقعی بے مثال ہے، ع سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب۔اس علامت کی وجہ سے مصرع ،نثری جملوں میں شامل نہ ہوگا اور نثری عبارت کے درمیان نمایاں بھی رہے گا۔کچھ ماہرین قلمکار اس کمال خوبی کے ساتھ، اپنی نثری تحریروں میں کوئی مصرع شامل کرتے ہیں، کہ اگر مصرع کی علامت نہ لگائی جائے ،تو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ مصرع ہے ،یا اسی نثری عبارت کا حصہ ہے،اور ایسی مہارت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ربط وتسلسل بھی برقرار رہتا ہے۔ایسی صورت میں اگر مصرع کی علامت کا استعمال نہ کیا جائے ،تو ہو سکتا ہے کہ کچھ قارئین مصرع کے وجود سے ہی واقف نہ ہوں،اور لکھنے والے کی اس خوبی سے بھی نا آشنا رہ جائیں۔

(ے) یہ لفظ ''بیت'' کی مخفف صورت ہے۔نثری عبارت لکھتے ہوئے ،جب کوئی شعر نقل کرنا ہو،تو اس نشان کو شعر سے پہلے لگایا جاتا ہے، جیسے: ے

میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

شعر کے علاوہ ہندسوں کے لیے بھی اس کا استعمال عام ہے ۔خصوصیت کے ساتھ حواشی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جب کسی لفظ یا جملہ سے متعلق حاشیہ لکھنا ہو،تو اس لفظ پر یا جملہ کے آخر میں یہ علامت لکھ کر،اس کے اوپر ہندسہ لکھا جاتا ہے۔ایک صفحہ میں جتنے حاشیے لکھنے ہوں ، اسی کے اعتبار سے ہندسے بھی لکھے جائیں گے،اور پھر حاشیہ میں یہی علامت اسی نمبر کے ساتھ دوبارہ لکھی جائے گی،تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حاشیہ کس لفظ یا عبارت کا ہے۔البتہ حاشیے کے لیے یہ علامت خاص نہیں ، بلکہ اپنے اپنے اعتبار سے حاشیے کے لیے علامات کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔

(ص) یہ علامت صفحہ ہے۔جیسے : پیغام شریعت ،ص۱۰۔ اس کی ایک صورت یہ بھی رائج ہے کہ آدھا ص لکھا جائے (یعنی ص کا صرف سرا لکھا جائے، پیٹ کا گول نقشہ نہیں بنایا جاتا ہے، بلکہ ص کے سرا کے بعد سیدھی جاتی ہوئی ایک چھوٹی سی لکیر بنائی جاتی ہے)مکمل ص اور نصف ص میں معمولی سا فرق یہ ہے کہ جب جلد نمبر بتانے کے لیے ''ج'' لکھا جائے گا ،تو اس کا صفحہ بتانے کے لیے پورا ''ص'' لکھا جائے گا ، اور باقی صورتوں میں دونوں طرح کی شکلیں استعمال کی جاسکتی ہیں،خواہ پورا ''ص'' لکھا جائے، یا آدھا ''ص''۔البتہ جب(آدھا ص)لکھا جائے ،تو ہندسہ ص کی علامت،یعنی نصف ص کے اوپر ہوگا ،ورنہ ہندسہ ''ص'' کے بعد لکھا جائے گا۔بعض لوگ(ص) کے پیٹ میں ہندسہ لکھ دیتے ہیں، یہ قانونی طریقہ نہیں، بلکہ خود ساختہ طریقہ ہے۔

(ج) یہ ''جلد'' کی علامت کے طور پر مستعمل ہے۔جیسے فتاویٰ رضویہ ،ج ۵۔''جلد'' اور'' صفحہ'' کے لیے مذکورہ دونوں علامتوں یعنی ج اور ص کا ہی استعمال کیا جانا چاہیے۔البتہ اگر کوئی ''جلد'' اور ''صفحہ'' کا لفظ ہی استعمال کرنا چاہے ،تو کرسکتا ہے،مگر جب بار بار حوالے پیش کرنے ہوں تو مخففات کا استعمال ہی زیادہ بہتر ہے۔بعض لوگ مزید تخفیف کے لیے ان دونوں علامتوں کو بھی حذف کر دیتے ہیں،اور جلد اور صفحہ نمبر کے درمیان اس ''/'' علامت کا استعمال کرتے ہیں۔مثلا: بہار شریعت کی دوسری جلد کے صفحہ نمبر ۸ کا حوالہ دینا ہے،تو یوں لکھتے ہیں:(۸/۲)

(ق) یہ قطعہ بند کی علامت ہے۔یہ علامت وہاں پر لگائی جاتی ہے، جہاں دو اشعار باہم مربوط ہوں اور ان کا مضمون ایک ہو۔اس علامت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں شعر کا آپس میں ایک خاص تعلق وربط ہے، اس لیے ان دونوں اشعار کو ملا کر پڑھا جائے،تاکہ شاعر کی مراد تک رسائی ہو سکے،جیسے: ؎

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

ق

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضؔا
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

(کذا) یہ ''کذا فی الاصل'' کا مخفف ہے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل متن میں بعینہ یہی بات ہے۔یہ اس وقت لکھتے ہیں، جب کسی غیر کی عبارت کو لکھنا مقصود نہ ہو، یا شبہات کو دور کرنا ہو، یا اپنی بات کو اور مضبوط کرنا ہو۔عموماً اس کا استعمال فقہی مسائل یا تدوین میں ہوتا ہے۔

(الخ) یہ ''الیٰ آخرہ'' کا مخفف ہے۔کوئی عبارت یا شعر پورا لکھنے کی بجائے،ان کے ابتدائی الفاظ لکھ کر''الخ'' لکھ دیا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پورا شعر یا مکمل عبارت مراد ہے۔

(اہ) یہ انتہیٰ کا مخفف ہے۔''الخ'' ہی کی طرح اس کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

(ق م) یہ قبل مسیح کا مخفف ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کے سنہ کے لیے''ق م'' لگایا جاتا ہے، جیسے:۵۰۰ ق م۔یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پانچ سو سال پہلے۔

(رک) یہ ''رجوع کنید کا مخفف ہے۔اس کے ذریعہ سے کسی صفحہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔جیسے:''رک ص ۱۰'' یعنی اس سلسلے میں صفحہ نمبر ۱۰ کی طرف رجوع کریں۔اب اس کا استعمال متروک ہے۔

(ؑ) یہ علیہ السلام کا مخفف ہے۔

(ؓ) یہ رضی اللہ عنہ کی تخفیفی صورت ہے۔

(ؒ) یہ رحمۃ اللہ علیہ کا مخفف ہے۔

(صلعم) یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخفف ہے۔

(تع) یہ تعالیٰ کا مخفف ہے۔(ت اور نصف عین کا مجموعہ)

(ؐ) یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخفف ہے، بلکہ ''صلعم'' کا مخفف ہے۔

مذکورہ بالا چھ مخففات کا استعمال ہرگز ہرگز اپنی تحریروں میں نہ کیا جائے۔ان مخففات کے استعمال کو علما نے سختی سے منع کیا ہے۔مذکورہ مخففات کی طرح انگریزی میں بھی مخففات رائج ہوگئے ہیں۔جیسے: صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے .S.A.W، رضی اللہ عنہ کے لیے .R.A، وغیرہ۔ان مقدس کلمات یعنی درود وسلام، ترحم وترضی وغیرہ کے لیے مخففات کا استعمال جائز نہیں، بلکہ مکمل کلمات لکھنے کا حکم ہے۔سوشل میڈیا کا دور ہے۔بہت سے لوگوں نے یہاں پر بھی اپنے طور پر مخففات کا انتخاب کرلیا ہے۔مثلا: سلام کے لیے A/S یا A/W کا استعمال کرتے ہیں، اور جواب کے لیے .W.A یعنی وعلیکم السلام۔کچھ لوگوں نے اللہ کے نام کو بھی مخفف کردیا ہے۔جیسے: ماشاء اللہ کے لیے .M.A۔سبحان اللہ کے لیے .S.A۔ایسی تمام صورتیں نہ صرف ناروا ہیں، بلکہ دعائیہ کلمات کی بے ادبی بھی ہے۔

(//) ایضا کی علامت ہے۔ایضاً کی تنوین (دوزبر) لفظ ایضاً کی جگہ پر استعمال ہوتی ہے۔یہ علامت اس وقت لگاتے ہیں، جب کہ نیچے کا لفظ یا جملہ، بعینہ اوپر کے لفظ یا جملہ کی طرح ہو، تو اس لفظ یا جملہ کے مقابل یہ علامت لگائی جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بات اوپر کہی گئی ہے، وہی بات نیچے بھی ہے۔

(/) وزن، رقم، تاریخ کے ہندسہ کے بعد یہ لکیر لگائی جاتی ہے، جو اوپر سے داہنی طرف مائل ہوتی ہے۔جیسے: ۳/کلو۔ ۲۰۰۰/روپے۔مورخہ ۳/فروری ۲۰۱۸ء۔یا ۲۰۱۸/۲/۳ء۔

(۱۲) عبارت کے اختتام پر ۱۲ کا عدد لکھ دیا جاتا ہے۔یہ لفظ ''حد'' کے اعداد کا مجموعہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ عبارت کی حد ہے، یہاں بات پوری ہوگئی ہے۔اب اس عدد کو لکھنے کا رواج بہت کم ہوگیا ہے، اس لیے اس کا استعمال نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

کچھ علامات ومخففات کا انتخاب اپنے طور پر بھی کیا جاسکتا ہے۔جیسے: عربی کے لیے ''ع'' اردو کے لیے ''ار'' اسی طرح اسمائے مشتقات، مذکر ومؤنث کے لیے، خصوصا کتابوں کے نام کے لیے مخففات کا تعین اپنے حساب سے کیا جاسکتا ہے، اور جب کبھی علامات ومخففات اپنے طور پر متعین کیے جائیں، تو یہ بھی ضروری ہوگا کہ لکھنے والا ان کی صراحت ابتدائے کلام ہی میں کردے۔

☆☆☆

ممبرشپ فیس جمع کرنے کے لیے

بینک اکاؤنٹ کی تفصیل

India Bank

Name: Paighameshariat

AC. 6409744750

IFSC IDIB000J033

☆

رابطہ کے لیے فون کریں:

مولانا قاسم القادری :**9911062519**

حافظ کمیل احمد :**8090753792**

تعلیمی مسائل **گیارھویں قسط**

علوم عصریہ اور اسلاف کرام

طارق انور مصباحی (کیرلا)

{tariqueanwer313@gmail.com}

اٹھ! کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے

عاشق حبیب کبریا، مجدد ملت بیضا امام احمد رضا قادری (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کے خلفائے مشاہیر میں رئیس المتکلمین حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (۱۸۷۸ء-۱۹۳۹ء) سابق صدر شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کا شمار صائب الرائے مفکرین وسلیم العقل مدبرین میں ہوا کرتا تھا۔ علم وفضل کے ساتھ متصلب فی الدین، تقویٰ شعار اور عظیم خطیب تھے۔ ممدوح گرامی نے تحریک خلافت کے عہد (سال ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۴ء) میں مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں کو خلاف اسلام حرکات سے باز رکھنے کے لیے دو انتہائی معرکۃ الآرا رسالے بنام ''الرشاد'' اور ''النور'' تصنیف فرمائے تھے۔ علامہ بہاری نے تعلیمی رہنمائی کے لیے ایک معرکۃ الآرا رسالہ ''السبیل'' تحریر فرمایا تھا۔

رسالہ ''الرشاد'' سال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ (علی گڑھ) اور مطبع خادم التعلیم (لاہور) سے شائع ہوا۔ اس رسالے میں گائے کی قربانی سے متعلق تفصیلی بحث ہے۔ جو لوگ ترک قربانی گاؤ کے حامی تھے، ان کے سوالوں کے جوابات اور ان کے افکار ونظریات پر فاضلانہ تنقید کی گئی ہے۔ رسالہ ''السبیل'' سال ۱۹۲۴ء میں مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ (علی گڑھ) سے شائع ہوا۔ دینی ودنیاوی تعلیم کے فوائد وثمرات اور ماقبل آزادی، مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد پر یہ نہایت عمدہ تحریر ہے۔

رسالہ ''النور'' پہلی بار ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ (علی گڑھ) سے شائع ہوا۔ اس میں انگریزوں سے ترک موالات اور قوم ہنود سے انضمام پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے۔ ترک موالات کے ضمن میں لیڈروں نے مسلم اسکول وکالج کو انگریزی حکومت سے الحاق اور مالی امداد ترک کرنے پر زور دیا، حالانکہ یہ مسلمانوں کے لیے انتہائی غیر دانشمندانہ فیصلہ تھا۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز سے بھی اس سلسلہ میں استفتا کیا گیا۔ آپ نے بھی ترک الحاق اور مالی امداد کے ترک کو نقصان دہ بتایا، پھر ان کے مشہور خلیفہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے مذکورہ بالا مستقل رسالہ تصنیف فرما کر قوم کی صالح رہنمائی فرمائی۔

تعلیمی مسائل کی مطبوعہ قسطوں میں مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں عصری علوم وفنون کی شمولیت اور قوم مسلم کو عصری علوم وفنون کی تحصیل کی جانب رغبت دلائی گئی ہے۔ ذیل میں رسالہ ''النور'' کے چند اقتباسات سپرد قلم ہیں۔ اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ تعلیمی مسائل کی قسطوں میں ہم نے جن خطوط ونقوش کی نشاندہی کی ہے، درحقیقت ماضی قریب کے علمائے اعلام کے افکار وخیالات بھی ویسے ہی ہیں۔ ہاں،

یہ ایک حقیقت صادقہ ہے کہ ایسے بالغ نظر مفکرین کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے۔آج بھی وہی حال ہے:**لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرًا**

رہبر ورہنما کی قسمیں

علامہ سلیمان اشرف بہاری نے رہبر کی تین قسم بیان فرمائی، تاکہ قوم مسلم مناسب رہنما کا انتخاب کرے۔موصوف نے تحریر فرمایا۔

''فرزندان اسلام! رہبر کی تین قسمیں ہیں (۱) ایک وہ باکمال جس کے ذہن میں منزل مقصود متعین ومشخص، راہیں اس کی معلوم، دشواریوں پر اسے اطلاع، خطرات ومہالک سے واقفیت کاملہ، ان تدابیر پر قادر جن سے خطرات وموانع کا اثر نہ آنے پائے۔ایسا رہبر اپنے علم وبصیرت سے رہبری کرتا ہوا، خطرات ومہالک سے بچاتا ہوا، موانع کو دفع کرتا ہوا، اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک پہونچا دیتا ہے، جیسا کہ ایک ماہر ناخدا کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف، مقام خطر سے آگاہ، مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اسے سبیل معلوم۔

(۲) دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم، نہ خطرات کا علم، لیکن منزل مقصود متعین، تلاش راہ کی طلب کامل، اور خطرات پر غالب آنے کی قوت اسے میسر وحاصل۔

(۳) تیسرا وہ مدعی باطل کہ جسے نہ منزل مقصود کی خبر، نہ راستہ کا علم، نہ دشواریوں پر بصیرت وخبرت، نہ کسی قسم دفاع پر قدرت وطاقت''۔

(النورص ۴۷-ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

عصری تعلیم کے فوائد وثمرات

علوم عصریہ کے فوائد اور اس سے لاتعلق رہنے کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے تحریر فرمایا۔

''تغیر عالم کو دیکھتے ہوئے علمائے کرام نے اپنے دل ودماغ کو سیاسیات کی فکر سے ایسا بے نیاز کرلیا تھا کہ علامہ ابن خلدون کو اس مقدس گروہ کے حق میں یہ فیصلہ دینا پڑا کہ ''ابعد الناس عن السیاسۃ ہم العلما''۔یعنی علما کا دماغ سیاست کے سمجھنے سے بہت ہی دور ہے۔یہ فیصلہ کیوں جائز رکھا گیا اور اس کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ اس وقت اس سے بحث نہ کیجئے، صرف اس قدر ملاحظہ فرمایئے کہ آج یہ فیصلہ صدق وحق کے معیار پر کیسا کھرا ثابت ہورہا ہے۔ہندوستان میں ریفارم اسکیم کا ملنا، لفظ سوراج کا شاہی خاندان کے رکن رکین کی زبان پر آنا کس کا نتیجہ ہے؟ آیا مدارس عربیہ کے علما اور طلبہ کے فکر وعمل کا نتیجہ ہے، یا تعلیم یافتگان علوم مغربیہ کے افہام وتفہیم اور جدوجہد کا ثمرہ ہے؟

علوم عربیہ کے جاننے والے اس وقت جس حال میں ہیں، امور دنیاوی اور پولیٹکس حالیہ میں ان کے دماغ کی بلندی، حوصلہ وہمت کا علو، قوت فکریہ کی صحت جس درجہ پر ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ہندوستان کے ہر باشندے کو اس دینی گروہ سے روزانہ سابقہ رہتا ہے۔عیاں را چہ بیاں۔علوم عربیہ جو جملہ مقاصد تعلیم کو علیٰ وجہ الکمال حاوی ومحیط، آج اس کے جاننے والوں کی یہ حالت کیوں ہے؟ اس کی تحقیق وتنقیح چھوڑیئے، حالات وواقعات ہند کو دیکھئے کہ کیوں کر ہوئے؟ اور کس کے ہاتھوں سے ہوئے''؟ (النورص ۱۹۱-ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

مسلمانان ہند کی تعلیمی پسماندگی کا آغاز

سلاطین ہند کے عہد میں حکومتی محکمہ جات میں فارسی زبان رائج تھی، گرچہ ملک ہند میں کہیں بھی فارسی زبان ایک عوامی زبان نہیں تھی۔سرکاری زبان ہونے کے سبب ہندو، مسلم ودیگر اقوام ہند فارسی پڑھتی تھیں۔مدارس اسلامیہ میں بہت سی دینی کتابیں بھی فارسی زبان میں

پڑھائی جاتی تھیں۔ بہت سی اسلامی کتابوں کے شروح وحواشی بھی فارسی زبان میں لکھے گئے، یہاں تک کے قرآن مجید کے تراجم اور تفسیریں بھی فارسی میں لکھی گئیں۔ فتاویٰ بھی فارسی میں لکھے جاتے تھے، سنسکرت میں نہیں۔ کیا فارسی ملک ہند کی زبان تھی؟ یا وہ صرف دفتری زبان تھی؟ کیا یہ بات قابل قبول نہیں کہ جس طرح عہد مغلیہ میں فارسی کے دفتری زبان ہونے کے سبب اسلامی کتابیں فارسی میں لکھی جاتی تھیں، اسی طرح عہد حاضر میں اسلامی کتابیں انگریزی زبان میں لکھی، پڑھی جائیں، کیونکہ آج انگریزی دفتری زبان ہے، اور دفتری زبان پر دسترس حاصل کرنے کی خاطر اسلاف کرام کا یہی طریق کار تھا؟ گرچہ اس فکر میں ابھی بہت زیادہ اجنبیت محسوس ہوتی ہے، لیکن حقیقت کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ بہرحال یہ حالات کا منطقی نتیجہ تھا کہ انگریزوں نے انگریزی تعلیم ہندوستانیوں کے سامنے رکھا تو مسلمانوں نے قبول نہ کیا۔

علامہ سلیمان اشرف بہاری نے تحریر فرمایا-''انگریزی سلطنت جب اپنے ساتھ علوم مغربیہ ہندوستان میں لائی تو ہندوستانیوں نے دیکھا کہ اب بقا اور نمود کی زندگی بغیر علوم مغربی حاصل کیے ناممکن ہے۔ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہندوؤں نے بڑھ کر تعلیم انگریزی کا استقبال کیا، خوش آمدید کا نعرہ بلند کیا۔ جب اس قوم کے ایک خاص حلقہ میں تعلیم پھیل گئی، اور انگریزی کے واقف کار کچھ ہندوؤں میں تیار ہو گئے تو ان میں احساس پیدا ہوا، اور حکومت کے انداز فرماں روائی پر نکتہ چینی شروع کی۔ اپنے حقوق کے باب میں صدائے احتجاج بلند کی۔ ہوم رول، سلف گورنمنٹ یا سوراج کا تخیل سب سے پہلے علم مغربی سے آشنا دماغ میں آیا۔ حکومت خود مختاری کی صدا جس نے اپنے منہ سے نکالی، اور ہندوستان کے رہنے والوں کو یہ سامعہ نواز نغمہ جس نے سنایا، وہ انگریزی داں ہندوستانی تھا۔ کانگریس جو سوراج کا سنگ بنیاد ہے، اس کی تاسیس اور پھر اس عمارت کی تعمیر و تکمیل جن ہاتھوں نے کی ہے، وہ سب انگریزی خواں اور انگریزی داں ہیں۔ مسلمانوں میں جب علوم مغربیہ کا آغاز ہوا، اور پھر ان میں بھی ایک تعداد تعلیم یافتوں تیار ہو گئی تو احساس وتأثر یہاں بھی ظاہر ہونے لگے، لیکن افسوس!

ع/ ہم ابھرتے ہوئے جھونکے میں خزاں کے آئے

یہ واقعہ ہے، حقیقت ہے، اس سے انکار کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے کہ ہندوستانیوں کا حکومت کے سامنے آنا، اپنے مطالبات کو مؤثر پیرایہ میں پیش کرنا، ثبات وقرار سے اپنے حقوق کی طلب میں مسلسل سرگرم کار رہنا اور پھر اپنی کامیابی کے لیے ایثار وقربانی سے دریغ نہ کرنا، یہ سب تعلیم انگریزی کا ثمرہ ہے۔ آئین سلطنت پر جنہوں نے نکتہ چینی کی ہے، وہ انگریزی خواں ہیں۔ حکومت خود اختیاری کا جنہوں نے نعرہ بلند کیا ہے، وہ انگریزی خواں ہیں۔ غلامی کی ذلتوں کا جس نے احساس پیدا کیا ہے، وہ انگریزی خواں ہیں۔ قید خانوں میں سب سے پہلا قدم جن کا پہنچا ہے، وہ انگریزی خواں ہیں۔ دار ورسن سے جن کے گلے پہلے آشنا ہوئے، وہ انگریزی خواں ہیں۔ ایک گوشہ ملک سے دوسرے گوشہ تک جنہوں نے ہلچل مچا رکھی ہے، وہ انگریزی خواں ہیں۔ طرفگی یہ کہ سارے انگریزی خواں انہیں کالجوں کے تعلیم یافتہ اور سند یاب ہیں، جن کا الحاق گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں سے ہے۔ سرکاری کالج یا امدادی کالج میں تعلیم پانے سے ان کے جذبات قومی نہ فنا ہوئے، نہ مٹے''۔ (رسالہ النور ص ۱۹۲، ۱۹۳- ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

علما کی زبان میں قوت گویائی کہاں سے آئی؟

علامہ بہاری نے تحریر فرمایا: ''اس وقت علمائے سیاسی میں جو خروش وجوش ہے، وہ بھی نتیجہ انہیں انگریزی خوانوں کا ہے۔ انہیں کے ہاتھوں نے انہیں جھنجھوڑا، جب ان کی آنکھیں کھلیں۔ انہیں کے ہاتھوں نے سہارا دیا، جب ان کے قدم اٹھے۔ انہیں کی آوازوں نے ان کی زبانیں کھولیں، جب یہ بولنے لگے۔ رہا گروہ علمائے ربانیین کا، وہ پہلے بھی عقلائے دنیا سے بے نیاز تھا، اور آج بھی مستغنی ہے۔

ملک کا جناح ان کے زیر قدم ہے عزیزوں کا قد سامنے ان کے خم ہے

اس وقت بھی اگر انگریزی خواں جماعت ان تحریکات سے الگ ہو جائے تو سارے جمعیت العلما کے فضلائے یگانہ اپنی اپنی درس گاہوں میں ہوں گے، یا ممبر ومحراب میں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ یا مسجد یا انجمن اسلامیہ کا وعظ فرما کر آخر میں تحریک چندہ فرماتے ہوں گے۔ وزرائے انگلستان کے آرا پر تنقید اور سیاست ہند پر مباحثہ کسی کے وہم میں بھی نہ آئے گا۔ ع/ ''گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش'' فرماتے ہوئے سیاست کے سارے ابواب طے فرما دیں گے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فرمایئے کہ تعلیم انگریزی ہندوستانیوں کے احساس تأثر اور تقویت کا واسطہ ہے یا فریق محارب کے لیے اجیر وغلام وغیرہ بننے کا ذریعہ وواسطہ''؟ (رسالہ النور ص ۱۹۴- ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

عصری تعلیم کا مقصد کیا ہے؟

علامہ بہاری نے انگریزی تعلیم سے متعلق تحریر فرمایا- ''مسلمان اپنی ہستی قائم رکھنے کی غرض سے پڑھتے ہیں یا انگریزوں کی معاونت و امداد کے لیے تعلیم پاتے ہیں؟ ۱۸۳۵ء میں مسلمانوں نے ایک میموریل گورنمنٹ میں بھیجی تھی، جس پر آٹھ ہزار مسلمانوں کے دستخط تھے۔ درخواست یہ تھی کہ انگریزی تعلیم پر کوئی رقم صرف نہ کی جائے، اسی رقم کو گورنمنٹ علوم مشرقیہ پر صرف کرے۔ اگرچہ اسی سال راجہ رام موہن رائے کی بسر کردگی جو وفد ہندوؤں کی طرف سے پیش ہوا تھا، اس میں یہ استدعا تھی کہ گورنمنٹ بجائے علوم مشرقیہ، کل رقم علوم مغربیہ پر صرف کرے، آج گورنمنٹ اس وقت کو اور مسلمانوں کے میموریل کو یاد کرتی ہوگی کہ کاش! مسلمانوں کی درخواست قبول کر لی جاتی تو گورنمنٹ کے سامنے ایسے ہی تعلیم یافتہ ہوتے، جیسا کہ درس گاہ مشرقی نے تیار کیے ہیں''۔ (رسالہ النور ص ۱۹۴، ۱۹۵- ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنے زمانے کے علما کے بارے میں فرمایا کہ انگریزی تعلیم سے ناواقف ہونے کے سبب حکومتی معاملات میں تنقید وتبصرہ کے قابل بھی نہ تھے، حکومتی محکمہ جات میں شرکت کی بات تو بہت دور ہے، نیز یہ کہ ہندوؤں نے دنیاوی تعلیم حاصل کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت میں انہیں کی آؤ بھگت ہے، اور قریباً آدھی حکومت پر ہندو قابض ہیں۔ علامہ موصوف کی تحریر درج ذیل ہے۔

''یہ مسئلہ بالکل بدیہی ہے کہ ملک موجودہ اصلاح پر کام کرے، یا انقلاب کے بعد کوئی اور پہلو اختیار کرے، پرسش جب کبھی، اور جہاں کہیں بھی ہوگی، جماعت تعلیم یافتوں ہی کی ہوگی۔ جس گروہ میں تعلیم یافتہ زیادہ، اسی گروہ کا حکومت میں حصہ اور اقتدار زیادہ۔ عہد موجود میں ہندو تعلیم میں بہت آگے ہیں، اسی سبب سے حکومت میں ان کا حصہ بھی بہت ہی غالب ہے۔ عملاً آدھی حکومت اگر اس وقت بھی ہندوؤں کی تسلیم کی جائے تو یہ حقیقت واقعی ثابت ہوگی۔ ہندوؤں نے اس قدر تعلیم حاصل کر لی ہے کہ اگر دس برس تک یک قلم تعلیم سے دست کش ہو جائیں اور مسلمان اس اثنا میں بڑی سرگرمی سے تعلیم حاصل کریں، جب بھی ہندو تعلیم یافتوں کا شمار مسلمانوں سے المضاعف ہوگا۔ ہندوستان میں جس قدر کالج یا اسکول سرکاری ہیں، اگرچہ نام وتنخواہ کا ان کے تعلق سرکار سے ہے، لیکن دراصل ان کا فیض ہندوؤں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔ اختیارات وغیرہ کہیں بلا واسطہ اور کہیں بواسطہ چوں کہ ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں ہیں، اس لیے تمعات بھی اسی قوم کے حصے میں ہیں۔ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے صرف تین کالج ہیں۔ علی گڑھ، لاہور، پشاور۔

اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس ہے۔ تین مسلمانوں کے اور ایک سو بائیس ہندوؤں کے۔ ان میں سے اگر سرکاری کالجوں کو جن کی تعداد کل چونتیس ہے، الگ کر لیجیے، جب بھی اٹھاسی کالج خاص ہندوؤں کے رہ جاتے ہیں۔ ان میں بائیس کالج ایسے ہیں جن میں گورنمنٹ کی امداد قطعاً شامل نہیں، اور چھیاسٹھ ایسے کالج ہیں جن میں گورنمنٹ کی امداد جاری ہے۔ تین اور اٹھاسی کی نسبت ذرا

غور سے ملاحظہ کیجیے، پھر تعلیم کے ملیامیٹ کر دینے کا فیصلہ کیجیے۔ سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چھیالیس ہزار چار سو سینتیس (۴۶۴۳۷) ہے، جن میں سے مسلمان طلبہ چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں، ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو چوبیس کروڑ اور مسلمان سات کروڑ ہیں۔ اس تناسب سے جبکہ مسلمانوں کے تین کالج تھے، ہندوؤں کے بارہ ہوتے۔ مسلمان طلبہ کی تعداد کالجوں میں چار ہزار تھی تو ہندو سولہ ہزار ہوتے، لیکن جب کہ واقعہ نمونہ عبرت پیش کر رہا ہو تو سلسلہ تعلیم کو تہ و بالا کرنے میں کس کا نقصان ہے؟ جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں، اس قوم کا یہ ادعا اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں، اگر خبط وسودا نہیں تو اور کیا ہے۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ ''رائے بے طاقت مکر و فسوں است و طاقت بے رائے جہل وجنوں''۔ (النورص ۱۹۵ تا ۱۹۷- ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

مشترکہ تعلیم گاہ کا تصور

ندوۃ العلما (لکھنو) کا قیام مشترکہ تعلیم گاہ کے طور پر ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوا تھا۔ نصاب تعلیم میں دینی و دنیوی، دونوں قسم کے علوم شامل تھے۔ ندوۃ العلما علمائے اہل سنت و جماعت کی تحریک تھی۔ کانپور میں دینی نصاب تعلیم کے اصلاحی جلسہ میں امام احمد رضا قادری شریک تھے۔ ناظم ندوہ محمد علی مونگیری کا شمار بھی اہل سنت و جماعت میں ہوتا تھا۔ قیام ندوہ کے بعد رفتہ رفتہ اس کے خیالات بدلتے گئے۔

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے لکھا۔ ''ندوۃ العلما کی بنیاد جس اصول پر رکھی گئی تھی، اس سے مقاصد تعلیم زمانہ حال کے مطابق علیٰ وجہ الکمال پورے ہوتے تھے۔ علمائے اہل سنت کا اختلاف نظام تعلیم سے نہ تھا، یہ مسئلہ تو متفق علیہ تھا۔ ندوہ نے جملہ علوم عربیہ و دینیہ کے ساتھ تعلیم انگریزی بھی داخل نصاب کی، تاکہ اس مدرسہ کا فارغ التحصیل طالب العلم اگر انگریزی تعلیم حاصل کیا چاہے تو پانچ برس میں گریجویٹ ہو جائے، اور اگر مطالعہ و محنت سے کام لے تو اس قدر استعداد اس میں موجود رہے کہ بغیر داخلہ کالج قوت مطالعہ سے ہر طرح کا فائدہ کتب انگریزی سے حاصل کر سکے''۔ (النورص ۱۹۷، ۱۹۸- ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

تعلیم گاہوں کا مقصد متعین کرنا لازم

علامہ سلیمان اشرف بہاری نے تحریر فرمایا: ''اے دردمند مسلمان! جنھیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں کو من حیث قوم مسلم اسی وقت ترقی نصیب ہوگی، جب کہ ان میں حقیقی معیار قومی پر تعلیم کا اجرا ہوگا۔ انھیں حضرات سے فقیر بے نوا کی یہ التماس ہے کہ یہ موقع ایک لمحہ تغافل کا بھی متحمل نہیں۔ ضرورت ہے کہ جلد سے جلد تر باہمی مشورے سے تعلیم گاہوں کا ایک صحیح نصب العین قرار دیا جائے۔ پہلے واقعات و ماحول پر گہری نظر ڈالی جائے۔ مسلمانوں کی موجودہ مادی و مذہبی استطاعت کا صحیح اندازہ کیا جائے۔ اس کے بعد ایک ایسی شاہراہ کی طرف رہبری کی جائے، جو فی الحقیقت منزل رساں ہو، نیز اس پر کثیر تعداد کا چلنا سہل و آسان بھی ہو''۔ (النورص ۲۰۳- ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

علامہ سلیمان اشرف بہاری نے لکھا۔ ''مسلمانان ہند کو یہ موقع ضائع نہ کرنا چاہئے، اگر اس وقت بھی انھوں نے اپنی تعلیم گاہوں کا صحیح نصب العین قرار نہ دیا تو پھر آئندہ کے لیے ذلت وخواری سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں''۔ (النورص ۲۰۶)

علامہ موصوف نے رقم فرمایا: ''انگریزی تعلیم یا انگریزی ملازمت یا ممبری کونسل مسلمانوں نے تائید عیسائیت و استحکام حکومت انگریزی کے خیال سے نہ اختیار کی تھی، نہ اس وقت اس خیال سے اس کی تائید کر رہے ہیں، بلکہ مقصود اس سے اپنا اور اپنی قوم کا نفع اور قیام تھا۔ ہندوؤں

کا بھی یہی مقصد تھا،لیکن مسلمان اپنی سہل انگاری وتن آسانی کی بدولت مقصد سے غافل ہوگئے،اور ہندوؤں نے مطلب وغایت کوایک آن بھی فراموش نہ ہونے دیا''۔(النورص۲۱۰-ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

قوم ہنود کی بیدار مغزی

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے تحریر فرمایا کہ آغاز امر میں قوم ہنود نے کانگریس پارٹی میں مسلمانوں کی شرکت کی انتھک کوششیں کی۔کامیابی نہ ملنے پر انہوں نے دولت،علم وحکمت اور سیاست کی جانب اپنی توجہ مبذول کردی۔ہندوؤں نے دولت وثروت بھی حاصل کی، مغربی علوم وفنون سے بہرہ مند ہوکر حکومتی ملازمت بھی حاصل کی،سیاست میں بھی اپنی گرفت مضبوط کرلی۔اب آزادی ہند کے لیے جانوں کی قربانی کی ضرورت تھی،اور مسلمان ایک جوشیلی قوم ہے،اس لیے مسلمانوں کو کانگریس نے اپنے قریب کیا،تاکہ آزادی کے لیے مسلمانوں کی جانوں کی قربانی پیش کی جائے۔تحریک خلافت کا اصل مقصد سلطنت عثمانیہ اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کا تحفظ تھا،گاندھی جی نے انتہائی محکم تدبیر سے اس تحریک کا رخ آزادی ہند کی طرف موڑ دیا،تاکہ مسلمان اپنی جانوں کی قربانی دے کر ملک کو آزاد کرالیں۔

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے تحریر فرمایا۔''یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہندوستان کی آزادی یا نظام سلطنت ہند کی ایسی تبدیلی جس سے اہل ملک اور ارباب حکومت سطح مساوات پر آجائیں،یا مساوات سے قریب تر ہوجائیں،اس وقت تک ناممکن ہے،جب تک یہاں کی دونوں بڑی آبادیاں یعنی ہندو اور مسلم باہم متحد وہمنوا نہ ہوجائیں۔اسی اصل کا لحاظ رکھتے ہوئے ابتدائے عہد کانگریس میں ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں کو اپنا ہم آہنگ بنانے کی کوشش بلیغ کی گئی،لیکن اس وقت یہی مصلحت قرار پائی کہ مسلمانوں کو سیاست میں اس وقت تک دخل نہ دینا چاہئے،جب تک علوم مغربیہ کا ایک کافی حصہ مسلمان حاصل نہ کرلیں''۔(النورص۳۰،۳۱-ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

ناکامی دیکھ کر پلاننگ کی فوری تبدیلی

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے تحریر فرمایا۔''ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی نہ صرف کنارہ کشی،بلکہ کانگریس کے مقاصد وطرز عمل سے مخالفت وبیزاری دیکھی،اوران کی جانب سے انہیں مایوسی ہوئی تو انہوں نے نہایت ہی عزم واستقلال سے حکیمانہ انداز پر اپنی قومی رفتار کی حرکت تین سمتوں میں منقسم کردی۔ایک جماعت نے اقتصادیات کو اپنا نصب العین قرار دیا،اور اکتساب دولت کے جس قدر ذرائع اور وسائل تھے،انہیں اپنے ہاتھوں میں لے لینے میں ساعی وکوشاں ہوئے،خصوصیت کے ساتھ سا ہوکاری کو اس سلیقہ سے انجام دیا کہ پچاس برس کے عرصہ میں مسلمانوں کی تقریباً ساری دولت سمیٹ کر ہندوؤں کی ملکیت ہوگئی:الا ماشاءاللہ۔

دوسری جماعت نے تعلیم اور اس کے ثمرات کی طرف قدم بڑھایا،اوراس راہ میں بھی انہیں بے انتہا کامیابی حاصل ہوئی۔خاص ہندوؤں کی تعلیم گاہوں کا شمار جو کیا گیا ہے،اور پھر اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی درس گاہیں رکھی گئیں تو ان کا وہی نقشہ سامنے آگیا ہے جو سماں دولت کا مقابلہ کرتے ہوئے پیش نظر ہو چکا ہے۔تعلیم کے بعد ملازمت اور علمی پیشہ کا میدان سامنے آتا ہے،یہاں بھی ہندوؤں کا مقابلہ مسلمانوں سے وہی نتیجہ دیتا ہے جو سابق دو مقابلوں میں حاصل ہو چکا ہے۔

تیسری جماعت نے عملاً سیاسیات کی طرف اپنا قدم بڑھایا اور نہایت عزم واستقلال سے اس حوصلہ شکن،صبر آزما راہ پر چلنے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ سیاست کی راہ بہت ہی پر خطر تھی۔اس کی سنگلاخ زمین قدم قدم پر ایک پرخار وادی سامنے لاتی تھی،جس پر چلنا اپنے تلووں کو زخموں سے چور چور اور پاؤں کو گھائل بنانا تھا،لیکن ہندوؤں کے عزم اور ہمت مردانہ کی داد دینی چاہئے،جنہوں نے نہایت ذوق

وشوق سے اس پیچ در پیچ خارزار سے نہ صرف گذر جانے کا، بلکہ اس راہ کو صاف کر دینے کا عزم کر لیا تھا۔

ان کے لیے ہر نوک خار لذت افزا اور ولولہ انگیز تھی۔ ہر ٹھوکر سنگ راہ کی ان کے لیے سمند شوق کے لیے مہمیز تھی۔ قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریاں قصر وایواں کی راحت وفضا سے ہمسری کرتی تھیں۔ طوق وسلاسل کی جھنکار اور آہنی زنجیروں کی سیاہی مرصع زیوروں کی چمک دمک اور ان کی آواز سے زیادہ گوش نواز اور نظر افروز تھی''۔ (النور ص ۳۱، ۳۲- ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

عہد حاضر میں بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ اگر دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی دی جائے تو طلبہ کو نہ دینی علوم میں کمال حاصل ہوگا اور نہ ہی عصری علوم میں کمال حاصل ہو سکے گا۔ یہ نظریہ دراصل ''عدم مشاہدہ'' کے سبب پیدا ہوا۔ اگر ان تعلیم گاہوں کا مشاہدہ کیا جاتا، جہاں مشترکہ نصاب تعلیم جاری ہے، اور فارغین بھی خالص مذہبی نصاب تعلیم پڑھنے والوں سے دینی علوم وفنون میں کسی طرح کم نہیں ہیں تو یقیناً ان کے افکار ونظریات بدل چکے ہوتے۔ جس طرح مذہبی تعلیم (قرآن وحدیث، فقہ وسیر وغیرہ) کے ساتھ غیر مذہبی تعلیم (منطق وفلسفہ، ریاضی و ہندسہ، نحو وصرف وغیرہ) دی جاتی ہے اور ہر طالب علم ان دونوں قسم کے علوم وفنون کو اپنے ظرف وذہانت اور محنت ومشقت کے مطابق حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح عصری علوم کو بھی حاصل کر سکے گا۔ منطق وفلسفہ بھی مذہبی علوم نہیں، اسی طرح سائنس وٹیکنالوجی بھی مذہبی علوم نہیں۔

علوم عصریہ کی شمولیت سے نو سالہ فضیلت کورس میں مضامین کے زائد ہو جانے کا اعتراض بھی ساقط الاعتبار ہے، کیونکہ فی الحال درس نظامی میں بہت سی ایسی کتابیں ومضامین شامل ہیں، جن کے لیے کسی استاذ کی ضرورت نہیں۔ طلبہ ان علوم وفنون کا از خود مطالعہ کر سکتے ہیں- درس نظامی کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو اتنی قوت فراہم کر دی جائے کہ وہ ضرورت کے مسائل از خود کتابوں سے اخذ کر سکیں۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم طلبہ کو تمام ضروری علوم وفنون سے آراستہ کر دیں۔ حل مسائل کی قابلیت مقصود ہے، تمام مسائل کا استحضار مقصود نہیں۔ عصر حاضر میں سخت ضرورت ہے کہ مدارس اسلامیہ کے فارغین دینی ودنیاوی ہر دو قسم کے علوم وفنون سے آراستہ ہوں، تاکہ ہر محاذ پر وہ قوم کی رہنمائی کر سکیں۔

علامہ بہاری نے تحریر فرمایا-''دوستو! ناقص کو کامل بنانا، کامل کو کامل تر کی حیثیت تک پہنچانا ترقی وکمال پذیری ہے''۔ (النور ص ۱۸۹)

کسی بھی جمہوری ملک میں اقلیتوں اور کمزور طبقات کو اپنے حقوق کی حصولیابی کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اہل حکومت کے پاس اپنا مطالبہ پیش کرنے، قوم کو جمع کرنے اور انہیں قومی مسائل کی جانب راغب کرنے کے لیے قومی رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ علمائے دین قوم مسلم کے قدرتی لیڈر ہیں، اور قوم مسلم کی نظروں میں عصری تعلیم یافتگان کی بہ نسبت علمائے کرام زیادہ قابل اعتماد اور دین واہل دین کے سچے خیر خواہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اس لیے اس طبقہ کو دونوں قسم کی تعلیم دی جائے، تاکہ وہ حکومتی امور میں بھی قومی قیادت کر سکیں۔

تمام حکومتی محکمہ جات میں عصری تعلیم یافتگان براجمان ہوتے ہیں۔ ایسے محکموں میں گفت وشنید اور وہاں اپنے مطالبات کی منظوری کے لیے بھی عصری علوم وفنون سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ قوم مسلم کو زوال وادبار میں مبتلا کرنے کی خاطر ''مستشرقین'' نے اسلامی علوم وفنون کو حاصل کیا۔ اسلامی علوم وفنون سے آشنائی کے بعد انہیں قوم مسلم کے طبعی حالات، انداز فکر، تہذیب ومعاشرت سے آشنائی ہوئی، پھر انہوں نے منصوبہ بند طریقوں سے اہل اسلام پر ضرب لگائی۔ مستشرقین کی کارستانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت عثمانیہ کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ ترکی جو خلافت عثمانیہ کے عہد میں اسلام کا محافظ تھا، وہاں عربی میں اذان بھی ممنوع قرار پائی۔ وہابی مذہب کی تخلیق بھی یہود ونصاریٰ نے کی ہے۔ مستشرقین نے جدوجہد کیا، وہ بدنیتی کے باوجود اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے، جبکہ میں صالح مقصد پیش کر رہا ہوں۔

ہندوستان کوئی اسلامی ملک نہیں، بلکہ ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں علمائے اسلام کو اسلامی مسائل کے ساتھ مسلم مسائل پر بھی غور وفکر کرنا ہوگا۔قوم مسلم کے ایمان کی حفاظت کے ساتھ ان کی جان کی حفاظت بھی کرنی ہوگی۔اگر یہ آپ کا فرض نہ بھی ہوتو بطور مستحب انجام دینے کی کوشش کریں۔ ہند کی اصل قوم یعنی دلتوں سے اسلام کو زیادہ خطرہ نہیں، بلکہ ایک غیر ملکی قوم یعنی برہمنوں سے اسلام کو زبردست خطرہ ہے۔قوم برہمن کا انداز فکر بالکل یہودیوں کی طرح ہے۔ ہندوستان کی اصل قوم جسے شودر یا دلت کہا جاتا ہے، اسے برہمنوں نے اپنا محکوم بنا کر ایسے مظالم ڈھائے کہ سن کر انسانی روحیں کانپ اٹھتی ہیں، حالانکہ شودر ان کے ہم مذہب تھے۔آج تک دلتوں کے ساتھ برہمنوں کا سلوک انتہائی انسانیت سوز رہا ہے۔ڈھائی فی صد برہمن پورے ملک پر قابض ہیں، جیسے یہودی قلیل التعداد ہوکر بھی پورے یورپ پر قابض ہیں۔

قوم برہمن اپنے برہمنی نظام کو ملک میں نافذ کرنے کے لیے دستور ہند کی جگہ منوسمرتی کو لانا چاہتی ہے۔اس کے لیے مسلسل ماحول سازی کی جارہی ہے۔ براہ راست منوسمرتی کو دستور ہند کی شکل نہیں دی جائے گی، بلکہ دستور ہند میں اس قدر ترمیم کی جائے گی کہ دستور ہند ''منوسمرتی'' کا خلاصہ بن جائے۔بی جے پی ہو یا کانگریس، دونوں برہمنوں کی پارٹی ہے۔ برہمن قوم مسلمانوں کو ملیچھ سمجھتی ہے، یعنی شودروں سے بھی بدتر۔اگر بی جے پی اعلانیہ طور پر ہندوتوا کا نعرہ لگاتی ہے تو گجرات اسمبلی الیکشن: دسمبر ۲۰۱۷ء کے بعد کانگریس کے صدر دفتر سے بھی تمام کانگریسی لیڈروں کو نرم ہندوتوا (Soft Hindutva) کو اپنانے کا پیغام جاری ہوا ہے۔مسلمانوں کا جینا دشوار ہو چکا ہے۔ جابجا ہجوم کے ذریعہ مسلمانوں و دلتوں کے قتل اور زدوکوب کی خبریں میڈیا میں گشت کرتی رہتی ہیں۔اب تمام مظلوموں کو متحد ہونا پڑے گا۔

اے قوم! تم دوسروں کے سہارے جینے کی تمنا چھوڑ دو۔اپنے بال و پر کو مضبوط کرو۔اگر ریلوے کا ریزرویشن ٹکٹ لینا ہو تو ایک فارم ملتا ہے، جس کی خانہ پری ہندی یا انگریزی میں کرنی ہوتی ہے۔اگر آپ ہندی یا انگریزی نہ جانتے ہوں تو ریزرویشن سے محروم ہونا پڑے گا، یا کسی غیر سے مدد لینی ہوگی۔اگر قوم مسلم کے لیے حکومتی محکمہ جات میں ریزرویشن لینا ہو تو اس کے لیے آپ کو کتنے علوم کی ضرورت ہوگی؟ اگر آپ کسی غیر کو مدد کے واسطے پکاریں، وہ مدد کی بجائے فریب دے تو آپ کف افسوس ملنے کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں؟ ہندوستانی مسلمان فریب خوردہ قوم ہے۔آزادی کے ستر سالوں میں کانگریس نے انھیں طفل تسلیاں دی ہیں، اور بی جے پی نے سرعام ذلیل وخوار کیا ہے۔

سربراہان قوم وملت! زیر تعلیم طلبہ کو اس قابل بنائیں کہ وہ ہر محاذ پر قوم مسلم کی کامیاب قیادت کر سکیں۔علوم حاضرہ سے ناآشنائی کے سبب علما کی قیادت کا دائرہ مذہبی امور تک محدود ہو چکا ہے۔ تعلیمی مسائل قسط ہفتم (شمارہ فروری ۲۰۱۷ء) میں جدید نصاب ونظام کا خاکہ رقم کر دیا گیا ہے۔ یہودیوں کے مذہبی رہنما اپنے مذہبی علوم کے ساتھ عصری علوم میں بھی اعلیٰ تعلیماتی ڈگریوں کے حامل ہوتے ہیں۔ان کے مذہبی قائدین ہمہ وقت منصوبہ سازی میں مشغول رہتے ہیں۔ دیگر طبقات ان منصوبوں کی تکمیل میں کوشاں رہتے ہیں۔اس جہد مسلسل کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلت تعداد کے باوجود آج یورپ کے اہم ممالک میں درپردہ یہودیوں کی حکمرانی ہے، گرچہ بظاہر نصاریٰ حکمرانی کرتے نظر آتے ہیں۔

حضور حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ

حافظ ملت حضرت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی (۱۸۹۴ء-۱۹۷۶ء) نے اپنے استاذ صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی (۱۸۷۸ء-۱۹۴۸ء) کے حکم پر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور کی تدریسی خدمات سے منسلک ہوکر تعلیمات اسلامیہ کو عظیم قوت فراہم کر دی۔انہوں نے تعلیمی نظام ونصاب کی اصلاح کے ساتھ مدرسہ اشرفیہ کے تعمیری امور کی جانب بھی توجہ مبذول فرمائی۔ (بقیہ صفحہ ۵۲ پر)

خضر راہ

آئینہ: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) پر بے لاگ تبصرہ

از: نعمان احمد حنفی (پٹنہ)

تبصرہ بر شمارہ ستمبر ۲۰۱۷ء

ماہنامہ پیغام شریعت کا ۲۳ واں شمارہ پیش نظر ہے۔ اس بار کا اداریہ انتہائی قابل تحسین ہے۔ مدیر اعلیٰ مولانا فیضان المصطفٰے قادری نے محترم سید اولاد رسول قدسی مصباحی کے حوالے سے جو کچھ لکھنا چاہا ہے، اس کے لیے ان کے سیال قلم نے خوب سے خوب تعبیرات پیش کر دیئے ہیں، اور کسی کی خدمات کا اعتراف، اس کے اندر حوصلہ اور مزید خدمات کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔ یہ ایک پسندیدہ امر ہے۔ عہد حاضر میں کسی کے کارناموں کو ملیا میٹ کرنے کے لیے نکتہ چینی اور عیب جوئی کا فیشن چل پڑا ہے، حالانکہ امور حسنہ میں کسی کی مدح سرائی یا ترغیب کے سبب رب تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے امید ہے کہ مادح وممدوح دونوں توفیق حسن سے سرفراز کیے جائیں، پس سوچ لو! ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

اداریہ کی عبارت النص سے ہٹ کر اگر اشارت النص کی بات کریں تو مدیر اعلیٰ کی تحریر مسلک اہل سنت و جماعت کے فروغ وعروج کے باب میں ان کے حسین افکار ونظریات اور اعتدال مزاجی کی بہترین عکاسی کر رہی ہے۔ عہد حاضر میں اسباب واحوال ہمیں بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ ہم باہم شیر وشکر ہو کر کشتی ملت کی نگہبانی کریں۔ اتحاد کی قوت اور افتراق کا ضعف کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اداریہ میں ص 6: پر ایک لفظ ''معرکۃ الآرا'' استعمال کیا گیا ہے، اس پر معرکہ آرائی سے قطع نظر ص 7: پر مستعمل ''ناعاقبت اندیشوں'' کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ اگر ''نا'' کو اندیشوں ہی کے ساتھ رہنے دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اداریہ کے مضمون جملہ پر صاد کرنے کے ساتھ ساتھ یہ عرض کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ ماہنامہ پیغام شریعت کو اس طرح کے مباحث سے دور رکھنا ہی امت کے حق میں بہتر ہے۔

ضیائے قرآن: اس کالم میں مولانا اقبال احمد علیمی کی مختصر تحریر کا خیر مقدم ہے۔ طوطے کی زبان سے مالک کا اپنے کلام کو سن کر جھوم جانے کی جو نظیر پیش کی گئی ہے، یہ اچھی لگی، مگر اس کو عموم پر محمول نہیں کیا جانا چاہیے، بالخصوص علمائے کرام اور عربی زبان سے آشنا حضرات تلاوت قرآن کی پابندی کے ساتھ معانی قرآن میں غور وفکر کی عادت بھی بنائیں، تاکہ اجر وثواب میں بھی اضافہ ہو، اور مطالب قرآنی سے بھی آشنائی بڑھتی رہے۔ ص 9: پر آخری مصرعہ ''جو ہوں مانگنے والے تو آج بھی وہی بادہ ہے وہی جام ہے'' میں ''مانگنے'' کی جگہ پینے ہونا چاہیے۔

حضرت مفتی عالمگیر مصباحی کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاوی اسحاقیہ'' کی اشاعت پر ہم تہ دل سے مبارکبادی کے گلدستے پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے علم وعمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے، اور اس مجموعے کو فتاویٰ عالمگیری کا عکس جمیل بنائے: آمین

شرعی مسائل: اس کالم میں اس مرتبہ حضرت مفتی قاضی فضل احمد مصباحی (بنارس) کے بیان کردہ شرعی مسائل شمارے کی زینت بنے ہیں۔ ہمارے مسائل مستند حوالوں سے مزین ہو کر داد تحقیق دے رہے ہیں۔ درمختار کی عبارت ''قلت وھوالمعتمد لمافی متن مواھب الرحمٰن من

انہ اصح مایفتی بہ'' کے اس ترجمہ ''میں نے کہا یہی معتمد ہے چوں کہ مواہب الرحمٰن کے متن میں ہے کہ یہ قول صحیح ترین اور مفتی بہ ہے''۔ میں ''چوں کہ'' محل نظر ہے، اس لیے کہ اردو میں ''چوں کہ'' کے ذریعہ پہلے علت بیان کی جاتی ہے، اور پھر اس کا نتیجہ ذکر کیا جاتا ہے۔ چناں چہ کہتے ہیں-''چوں کہ معاملہ ایسا ہے، لہٰذا حکم یہ ہوگا''-ترجمہ مذکورہ میں ''چوں کہ'' کے بعد کسی نتیجہ کا مذکور نہ ہونا کچھ عجیب سا منظر پیش کر رہا ہے۔

وابستگان رضا کی کہانی حضرت شوکت میاں کی زبانی: کی آخری قسط پڑھ کر بھی بڑا لطف آیا۔ اس کو کتابی شکل میں شائع ہونا چاہئے۔

قاری ذوالفقار رضا نوری (بنگلور) نے علمائے کرام کے معاشی حالات پر طائرانہ نظر ڈال کر جو مرثیہ خوانی کی ہے۔ اس پر مساجد و مدارس کے ذمہ داران کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے، مگر مقام افسوس یہ ہے کہ نہ تو ایسے لوگ اس طرح کے رسائل و جرائد کا مطالعہ کرتے ہیں، اور نہ ہی اس سنجیدگی کا دامن تھامنے کو تیار رہتے ہیں، حالاں کہ یہ اس قدر حساس مسئلہ ہے کہ جگہ جگہ اس پر غور و فکر کی مجلسیں قائم ہونی چاہئیں۔

مولانا صادق رضا مصباحی نے اس بار ''احساس مروت کی موت پر ہمارا مرثیہ'' کے ذریعہ معاشرے کے ذہنی کرب کو اپنی تحریر میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے معاشرے کے خوب و ناخوب اچھی طرح نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ سچ کہیں تو ان کی تحریروں میں پرانی علامتوں کی تکرار، اور گھسے پٹے تلازموں کی بجائے، تازہ علامتیں ہر جگہ زندہ اور محسوس شکل میں دکھائی دیتی ہیں۔

محترم وسیم احمد رضوی (مالیگاؤں) نے حضرت علامہ پیر محمد رضا ثاقب مصطفائی (پاکستان) کی ایک مشہور تقریر کو تحریری شکل میں ''رزق میں برکت کے اسباب و ذرائع'' کے نام سے پیش کیا ہے۔ مصطفائی صاحب کی تقریریں سنجیدہ، مواد آمیز اور فکر انگیز ہوا کرتی ہیں۔ ان کے خطابات کا تحریر میں آنا بلاشبہ منفعت بخش ثابت ہوگا، مگر یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ مقررین کبھی دوران تقریر ایسی نادر روایتیں بھی بیان کر جاتے ہیں کہ ان پر وضع کا سا گمان ہونے لگتا ہے، لہٰذا اگر تقاریر کو تحقیق و تخریج کے ساتھ اشاعت میں لائی جائے تو بہتر ہے۔ اسی طرح خطبائے پاکستان کے پاکستانی تلفظ سے قطع نظر لفظی ساخت پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے، مثلاً اسی شمارے کے ص 41: پر ایک جملہ ہے۔ ''حالاں کہ جس نے آنا ہے، اس نے اپنا رزق لے کے آنا ہے''-ظاہر ہے کہ اس طرح کی اردو باشندگان ہند کو ہضم نہیں ہو سکے گی۔

حجۃ الاسلام اور علمی خدمات: کے نام سے ایک تحریر خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ (داناپور: پٹنہ) سے آئی ہے، جسے سید شاہ محمد ریان ابوالعلائی کے ژرنگار قلم نے آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ مضمون مختصر، مگر جامع اور افادہ بخش ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کے نام کی جگہ بار بار فاضل بریلوی کی تکرار اور پھر اس کے بعد ان کے بیٹے کے لیے ''حجۃ الاسلام'' کا استعمال کچھ عجیب قسم کا منظر پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح اکابرین اہل سنت کے ناموں میں ''العلام'' کی بجائے علامہ کا استعمال زیادہ مناسب ہوگا، تاکہ پیاری اردو کا پیارا حسن برقرار رہے۔

مسجد اقصیٰ میں صیہونی جارحیت: کے عنوان سے ہمارے جانے پہچانے قلم کار محترم غلام مصطفےٰ رضوی (مالیگاؤں) شریک انجمن ہیں۔ پورا مضمون رقت انگیز ہے، اور مسلم ممالک کی مجرمانہ خاموشی کو للکار رہا ہے، مگر افسوس!

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیادہ جاتا رہا

محترم کا یہ کہنا کہ یہودی و عیسائی اسے (بیت المقدس) یروشلم کہتے ہیں، جس کے معنی ''ورثہ امن'' کے بیان کیے جاتے ہیں، مگر یہاں امن کم ہی رہا۔ بلاشبہ ایک تاریخی طنز ہے، اور اس پر میں اتنا اور اضافہ کرنا چاہوں گا کہ ورثہ امن کا امن غارت کرنے میں انہی دو قوموں کا ہاتھ رہا ہے، جنھوں نے اسے ورثہ امن قرار دیا ہے۔

مدیر محترم مولانا طارق انور مصباحی تعلیمی مسائل کے بعد اب ہندوستانی مسائل پر سلسلہ وار لکھے جا رہے ہیں۔ یہ قومی مسائل کی چوتھی قسط ہے، جس میں ''وارن ہیسٹنگز جوڈیشیل پلان ۱۷۷۲ء'' پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہ باتیں اتنی قیمتی ہیں کہ اگر ان کی روشنی میں سوچنے کا عمل

شروع کر دیا جائے تو پھر ایک نئے انقلاب کی دھمک محسوس ہوتی دکھائی دے گی۔ آج ہندوستان مٹھی بھر فرقہ پرستوں کے زیر اثر جن مسائل سے دوچار ہے، ان کے حل کا واحد طریقہ بس یہی رہ گیا ہے کہ ملک کی گنگا وجمنی تہذیب کی سلامتی کے لیے سب اٹھ کھڑے ہوں اور فرقہ پرستی کو شکست دے کر ہندوستانی تہذیب وتمدن اور اس کے عالمی وقار کو برقرار رکھیں۔ مدیر محترم کی یہ طویل تحریر اس امن وسلامتی کی راہ پر چلنے کی ترغیب دے رہی ہے۔

انھوں نے یہ بتانے کی کشش کی ہے کہ خواہ وہ مسلم سلاطین کا زمانہ ہو کہ برطانوی حکومت کا دور، ہر زمانے میں ہر قوم کے اپنے اپنے شخصی قوانین رہے ہیں۔ خواہ وہ قدیم رسم ورواج کی صورت میں ہوں یا مرتب مجموعہ قوانین کی شکل میں۔ اگر وہ معقول ہیں تو پھر بخوشی ان کا احترام کیا گیا ہے، اور انھیں کے مطابق عدالتوں کو مذہبی وسماجی امور میں فیصلوں کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اب آج اگر اسی فطری واصولی حق کو چھیننے کی کوشش ہو رہی ہے تو پھر قتل وغارت گری کے علاوہ اس سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ اہل فہم اس نکتے کو اچھی طرح محسوس کر رہے ہوں گے کہ اس طرح کے لایعنی کاموں میں ملک کو پھنسا کر اسے عالمی دوڑ سے کس قدر پیچھے کرنے کی سازش رچی جا رہی ہے۔

اس شمارہ کے اخیر میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے بزرگ استاذ علامہ اعجاز احمد مصباحی کی وفات حسرت آیات کا ذکر ہے۔ کسی بھی بڑی تحریک کو عروج وارتقا کی منزلوں سے ہم کنار کرنے اور پھر اس کو سنبھالا دینے میں ایسے سادہ دل افراد کا نہایت اہم رول ہوتا ہے، جو بظاہر سامنے تو نہیں آتے، مگر داخلی نظام کا انحصار انھیں چند لوگوں پر ہوا کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علامہ اعجاز احمد مصباحی اشرفیہ کے انہی سادگی پسند، خوش اخلاق اور ملنسار علما میں سے ایک تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے مرقد انور پر رحمتوں کی بارشیں نازل فرمائے: آمین ثم آمین

تبصرہ بر شمارہ اکتوبر ۲۰۱۷ء

اب اکتوبر ۲۰۱۷ء کا شمارہ مطالعہ کی میز پر ہے۔ اس مرتبہ اداریہ نگاری ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے حوالے کی گئی ہے۔ موصوف نے اپنی ادارتی تحریر میں موقع کی مناسبت سے ریاست بہار کے سیمانچل علاقے میں آنے والے سیلاب اور اس کی تباہیوں کا جائز پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی سرزمین سیمانچل میں ۱۷۷۴ء سے لے کر ۲۰۱۷ء تک آنے والی 21: بڑی جان لیوا خشک سالیوں، طوفانوں، زلزلوں اور سیلابی تباہیوں کی ایک طویل تاریخ کا خلاصہ مختصر انداز میں پیش فرمایا ہے- سات صفحات پر پھیلے تباہیوں کی ملتی جلتی واردات کو مختلف اسلوب بیان کے ذریعے بڑی فن کاری سے بیان کیا ہے-

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے سیاسی رہنماؤں اور حکمرانوں نے سیمانچل کی تباہی کے سلسلے میں ابتدا ہی سے غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے، اور اب تک وہی غلطی دہرائی جا رہی ہے۔ جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے یہ سرخیوں کا حصہ بنتے ہیں، پھر ایسا غائب ہوتے ہیں کہ گویا کبھی کوئی سانحہ پیش ہی نہ آیا ہو۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب بڑی بڑی ندیاں قابو میں کر لی گئی ہیں تو پھر سیمانچل کی ان ندیوں اور ان کی قہر سامانیوں کو کنٹرول کرنا انسانی بس سے باہر کیونکر ہو سکتا ہے کہ مسلسل چشم پوشی سے کام لیا جا رہا ہے۔

حضرت پروفیسر مفتی منیب الرحمان صاحب قبلہ (پاکستان) نے اہل سنت میں در آئی بعض اعتقادی اور عملی کمزوریوں کی اصلاح کے لیے معتمد علمائے کرام کی مشاورت ومعاونت کے ساتھ ایک اہم تحریر بنام ''اصلاح عقائد واعمال'' قوم مسلم کو عطا فرمائی ہے، تاکہ بے جا غلو وعقیدت پر مبنی فاسد خیالات اور بے راہ روی کی روک تھام ہو، اور دین کے نام پر دنیا کی تحصیل میں لگے صاحبان جبہ ودستار کی غلط کوششوں پر قدغن لگانے کے لیے معاشرے میں فکری بیداری پیدا کی جا سکے۔

پیغام شریعت اکتوبر ۲۰۱۷ء کے ص 14: پر ہے۔ ''اصلاح احوال کے لیے اس تحریر کو خشت اول اور قرطاس عمل کا درجہ دیا جا سکتا ہے''۔ مجھے اس تحریر کے خشت اول ہونے سے اتفاق نہیں، کیوں کہ ہمیشہ سے علمائے حق کا ایک گروہ اس فکری بے راہ روی اور بے اعتدالی کے خلاف نبرد آزما رہا ہے۔ ماضی قریب اور حال کی بہت سی تحریر وتقریر کے ذریعے ان غیر شرعی افعال کی اصلاح کی کوشش ہوئی ہے، لہٰذا ان سب کی اصلاحی کوششوں پر یک لخت خط تنسیخ پھیر دینا صحیح نہ ہوگا۔ ہاں، یہ ضرور سچ ہے کہ یہ تحریر اس باب کا ایک اہم دانشمندانہ اقدام ہے۔

تبصرہ بر شمارہ نومبر ۲۰۱۷ء

یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ نومبر ۲۰۱۷ء کا اداریہ قومی مسائل کے حل کے لیے مختلف قسم کی تجاویز لیے نمودار ہوا۔ عبارتوں میں جوش و حرارت کے ساتھ غضب کی روانی نظر آرہی ہے۔ قلم گو کہ مدیر اعلیٰ کے ہیں، مگر اس کی روشنائی قومی غیرت وحمیت اور اسلام کے تئیں سچی ہمدردی سے مستعار لی گئی ہے۔ امت مسلمہ کے حوالے سے ان کی بے چینی سطر سطر سے ہویدا ہے۔ کچھ نمونے ملاحظہ ہوں:

(الف) مسلمانوں کے زوال اور تباہی کے لیے کوئی اور قوم نہیں، بلکہ اس کے لیے اپنی قوم اور اپنا اسٹرکچر ہی کافی ہے، جس کو خود اپنی فکر نہ ستائے، دنیا کو کیا پڑی ہے کہ اس کی فکر کرے۔

(ب) آج مشرق سے مغرب تک نظر دوڑائیں تو مسلمانوں کی ایک ہی تصویر نظر آئے گی۔ خون، بم و بارود، مظلومیت، بے کسی، خلفشار، دہشت گردی کا الزام، انتہا پسندی کا الزام، بلکہ چاہیں تو اس فہرست میں اب گوشت کھانے کا الزام بھی شامل کر سکتے ہیں۔

(ج) یزیدیت اپنے تمام شرور وغرور کے ساتھ دندناتی پھرتی رہی، لیکن ہم کس سے شکوہ کریں، جب ہمارے قافلے میں کوئی حسین ہی نہیں۔

(د) وقت کا فرعون انسانوں پر جبروتی نظام مسلط کرنے پر تلا ہوا ہے، مگر عصائے موسوی کے لیے نظریں ترس رہی ہیں۔ ان حالات میں مسلمان ممالک کجا اپنی صف بندی کرنے کی فکر کریں، گروپ سازی میں لگے ہوئے ہیں، اور ہمارے سنی مسلمان تو نہ جانے کس نجات دہندہ کے انتظار میں ہیں۔ اپنی قوم کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کی صلاحیت اب ہم سے سلب کر لی گئی ہے۔

(ہ) ہمارے حال کی کہانی بس اتنی سی ہے کہ دنیا بھر کے طالع آزماؤں کے لیے ہم مشق ستم بن کر رہ گئے ہیں۔

(ز) خدا کرے کچھ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں کہ مسلمان قوم اس ملک میں اپنی شیرازہ بندی کر سکے۔ ہمارے حالات دیکھ کر تو ایسا محسوس نہیں ہوتا، لیکن پروردگار عالم جل شانہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

''فقہی مسائل کے کالم میں ''ڈی این اے ٹسٹ: احکام ومسائل'' کے عنوان سے محترم سید شہباز اصدق سہسرامی نے بے حد وقیع اور گراں قدر مضمون تحریر کیا ہے۔ جدید فقہی مسائل پر اس طرح کی تحریر مزید آتی رہنی چاہئے۔ آیات قرآنیہ کے تراجم اگر کنز الایمان سے نقل کیے جائیں تو یہ ایک محمود و پسندیدہ طریق کار ہوگا، اور رفتہ رفتہ علما اس کے عادی ہوں گے۔

آج ہندوستان میں اسلامی فوبیا اس قدر زوروں پر ہے کہ آئے دن کوئی نہ کوئی مسلمان ظلم وستم کا نشانہ بنتا ہی رہتا ہے۔ سچ پوچھئے تو اس کے حجاب میں ایک مخصوص برہمن وادذہنیت کارفرما ہے، جو ملک کو گرفت میں رکھنے کے لیے مسلسل سازشوں میں مبتلا ہے، جب کہ خود ہندوؤں کا سنجیدہ طبقہ اس فرقہ پرستی سے پناہ مانگ رہا ہے، اور ملک میں امن وامان دیکھنا چاہتا ہے۔ مدیر محترم مولانا طارق انور مصباحی ایسے نازک مرحلے میں نہ صرف ان فرقہ پرستوں کو دعوت انصاف دے رہے ہیں، بلکہ ماضی کے اوراق پلٹ پلٹ کر یہ دکھا رہے ہیں کہ امن وآشتی

کی بقا کس میں ہے؟ اور تباہی کس میں؟ غیر صالح افکار ونظریات نے ملک کو کس خطرناک موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ محترم مصباحی کے پیش کردہ اوراق پارینہ سے بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے، اور ماہنامہ پیغام شریعت پر ان کے اثرات بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

اس بار ''دستور ساز اسمبلی میں یونیفارم سول کوڈ پر نقد وجرح'' موضوع سخن بنا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ جب کوئی اپنے مذہب پر عمل کرنا چاہتا ہو، اور اس سے ملک اور اہل ملک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو بھر بخوشی اس کو عمل کی اجازت دی جانی چاہیے۔ یہی سیکولرزم اور جمہوریت کی روح ہے، جس سے امن وامان اور ملک میں خوشی ومسرت اور شادمانی کا ماحول قائم کیا جاسکتا ہے۔ آج یکساں سول کوڈ کے نام پر جو منافرت کی سوداگری ہو رہی ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ آزادی ہند کے موقع پر بعض دانشوران ہند کے دل ودماغ میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ یکساں سول کوڈ ہندوستان کی تمام اقوام ومذاہب کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کا وسیلہ ہوگا، اور باہمی تفریق وتفوق کا خاتمہ ہو سکے گا، مگر اسی مجلس قانون ساز کے بعض مسلم ممبران نے یہ تاڑ لیا تھا کہ اس سے ملک میں عدم مساوات کا خاتمہ تو کجا، مزید انتشار وافتراق کی گرم بازاری شروع ہو جائے گی، اس لیے وہ شدت سے انکار کرنے لگے۔ چناں چہ 24: نومبر ۱۹۴۸ء کو جب موجودہ دفعہ 44 (یونیفارم سول کوڈ) مجلس قانون ساز کے یہاں زیر بحث تھی تو اسی وقت بعض ممبران چین بہ جبیں ہوئے، اور اس کے مضر اثرات سے مجلس قانون ساز کو آگاہ کیا۔

مسٹر حسین امام (ممبر آف بہار) نے کہا: سر! انڈیا ایک بڑی آبادی والا ملک ہے۔ اس کی تمام آبادی کو ایک قانون میں نہیں باندھا جا سکتا۔ یہ بھی کہا کہ سیکولر اسٹیٹ کا مطلب مذہب مخالف مملکت نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم غیر مذہبی مملکت ہے۔ غیر مذہبیت اور لامذہبیت میں بڑا فرق ہے، مگر مجلس قانون ساز کے بعض ممبران کی ضد نے اس طرح کی تمام مفید بحثوں کو ناقابل توجہ قرار دیا۔

مسٹر محمد اسماعیل (مسلم ممبر آف مدراس) نے نائب صدر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر اس کو پاس ہی کرنا ہے تو پھر اتنی شرط کا اور اضافہ کر دیا جائے۔ ''اس یقین دہانی کے ساتھ کہ لوگوں کا کوئی گروپ، جماعت یا طبقہ اپنے پرسنل لا کو چھوڑنے پر مجبور نہیں ہوگا، جب کہ ان کے پاس ایسا کوئی قانون ہو''۔ مسٹر اسماعیل کی یہ تجویز بھی ناقابل اعتنا ٹھہری، اور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (چیرمین آف ڈرافٹنگ کمیٹی) کی ایک طویل تقریر کے بعد وہ دفعہ نافذ ہوگئی۔ اس تقریر میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے ثقافتی یکسانیت وتہذیبی مساوات کے حسن وخوبی پر نظر ڈالی، لیکن یہ خیال نہ گذر سکا کہ اس قانون کو مستقبل میں کسی غلط مقصد کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

محترم طارق انور مصباحی نے اپنے اس مضمون میں قانون کے مضر اثرات کی جانب اشارہ بھی کر دیا ہے، اور حالیہ دنوں میں ایسا ہی کچھ دیکھنے کو بھی مل رہا ہے۔ خیال رہے کہ یکساں سول کوڈ کا معاملہ دستور کے رہنما اصولوں میں درج ہے۔ اس کا صریح مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ملک کا قانون ساز ادارہ اگر ضرورت محسوس کرے تو اس کے لیے ماحول سازی کرے۔ ایسا نہیں کہ اس دفعہ کو بہانہ بنا کر بلا ضرورت اہل وطن پر یونیفارم سول کوڈ مسلط کر دیا جائے۔ یہ تو اس وقت کی بات تھی جب قانون سازی ہو رہی تھی۔ اب ستر سالہ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ کی دفعہ 44 نہ صرف غیر مفید ہے، بلکہ اہل وطن کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے والی بھی ہے، لہٰذا ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو قائم رکھنا از حد ضروری ہے۔ اس قانون پر کھل کر پارلیمنٹ میں بحث ہو، اور حقائق کی روشنی میں کوئی مستحکم فیصلہ کیا جائے۔ محترم طارق انور مصباحی نے یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے وقت ہونے والی بحثوں کو انگریزی عبارت اور اس کے اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا ہے، ساتھ ہی بحث کی بعض خامیوں کی طرف اشارہ بھی کر دیا، تاکہ قارئین کسی نتیجے تک پہنچ سکیں۔

ایک چیز شروع سے دیکھتا آرہا ہوں کہ حروف ساز کی بے توجہی یا پھر تکنیکی خرابی کی وجہ سے ''سنہ'' کے بعد ''ئ'' چھپتی چلی آرہی ہے۔ اس کی تصحیح ہونی چاہیے، بلکہ اب تو اپنا خیال یہ ہے کہ ''سنہ'' کے استعمال کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ جدید نسل محض اعداد اور عین کے سرے، مثلاً

۲۰۱۸ء سے ہی کا استعمال کر رہی ہے، اور اسی نہج میں خوبصورتی بھی نظر آتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ صفحہ سوم پر جہاں رسالے کی تمام تفصیلات درج ہیں، دائیں بائیں دو خانے بنے ہوئے ہیں اور دونوں میں عیسوی مہینے کا نام درج ہوتا ہے، حالاں کہ ایک طرف ہجری اور دوسری طرف عیسوی مہینے کا نام ہونا چاہیے۔ نومبر کے شمارہ میں سٹنگ کی خامیوں کے سبب صفحات ادھر ادھر ہو چکے ہیں۔ اس سے قاری کو پریشانی ہوتی ہے۔

پانچویں بات جو کسی لطیفہ سے کم نہیں کہ ستمبر ۲۰۱۷ء کے شمارہ میں شمارہ نمبر 23 درج ہے۔ اکتوبر میں 25 اور نومبر میں 26۔ چوں کہ 24 نمبر ایک خاص بدعی گروہ کا علامتی نشان بن چکا ہے، اس لیے اسے چھٹی دے دی گی، مگر پھر پچھلے ماہناموں میں یہ کیا دیکھنے کو مل رہا ہے کہ جولائی میں شمارہ نمبر 16 درج ہے، اور پھر اگست میں 22- یہ معمہ بھی سمجھ سے باہر ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ عجلت یا پھر غفلت کا نتیجہ ہے۔ اگر حروف ساز اور سٹنگ کرنے والے ذرا سی توجہ دے دیں تو پھر ان خامیوں پر قابو پایا جا سکتا ہے: والسلام مع الاکرام

قوانین اسلام پر انگشت نمائی

طارق انور مصباحی (کیرلا)

تمام مذاہب میں طلاق کی گنجائش موجود ہے۔ ہندو دھرم میں بھی بوقت ضرورت طلاق اور تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ میڈیا جس طرح ہر معاملہ پر شور مچاتا ہے، اس سے میڈیا اور اس کے سرپرستوں کی اسلام دشمنی صاف ظاہر ہے۔ دنیا کا قانون خداوندی قانون کی طرح نہیں ہو سکتا۔ طلاق و تعدد ازدواج سے متعلق ہندو مذہب کے احکام 'منوسمرتی'' (سنسکرت مع ہندی ترجمہ) مترجم: پنڈت گریجا پرساد ڈویویدی {Pandit Girija Parsad Dvivedi} طبع اول: ۱۹۱۷ء، مطبوعہ: نول کشور پریس (لکھنو) کے حوالہ سے درج ذیل ہے۔

طلاق: (۱) مرد کو جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، جب اسے عورت میں کوئی عیب یا مرض ظاہر ہو، یا یہ کہ وہ غیر باکرہ ہو، یا وہ دھوکے سے اس سے بیاہی گئی ہو۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۷۳، ص ۳۳۱)

(۲) جب کوئی آدمی اپنی عیب دار بیٹی کسی کو دھوکے سے بیاہ دے، اور اس کے عیوب کو نہ بتائے، اور وہ اس پر راضی ہو گیا، پھر اسے اس کا عیب ظاہر ہو گیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۷۴، ص ۳۳۱)

تعدد ازدواج: (۱) شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ جب چاہے، بیوی رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی کر لے، جبکہ بیوی نشہ باز، بداخلاق، بہت جھگڑالو، بیمار، بدخلق یا بے جا خرچ کرنے والی ہو۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۸۱، ص ۳۳۲)

(۲) اگر بیوی بانجھ ہو تو شوہر کو آٹھ سال بعد شادی کی اجازت ہے۔ جس بیوی کے بچے زندہ نہیں رہتے ہوں تو دس سال بعد، اور اگر صرف بیٹیاں پیدا ہوتی ہوں تو گیارہ سال بعد شادی کی اجازت ہے، اور اگر بیوی بہت جھگڑالو ہے تو اسے بلا مہلت کے شادی کی اجازت ہے۔
(منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۸۲، ص ۳۳۲)

(۳) اگر بیوی نیک سیرت، عمدہ اخلاق اور شوہر کے ساتھ بھلائی کرنے والی ہو تو اس کی اجازت سے شادی کر سکتا ہے، کیونکہ ایسی عورتوں کو تکلیف نہ دینا اور برا سلوک نہ کرنا ضروری ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۸۳، ص ۳۳۲)

بلا نکاح قربت: (۱) اگر اولاد (بیٹا) نہ ہو تو عورت حصول اولاد (مذکر اولاد) کے لیے اپنے شوہر کی اجازت سے شوہر کے بھائی یا کسی اہل قرابت سے جماع کر سکتی ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۶۰، ص ۳۲۸)

(۲) جس مرد کا کسی بیوہ سے (اولاد کے لیے) قربت کا معاہدہ ہوا ہو، وہ اپنے بدن پر گھی لگائے، پھر اس بیوہ سے قربت کرے۔ قربت کے وقت خاموش رہے، اور یہ اس سے صرف ایک بیٹا لے سکتا ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۶۱، ص ۳۲۸)

(۳) بعض دھرم گرو نے کہا کہ ایسی عورت سے دو بیٹا بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (منوسمرتی، ادھیائے ۹، شلوک ۶۲، ص ۳۲۸)

بلا نکاح قربت کا حکم ایک عجیب وغریب حکم ہے۔ حلالہ پر اس قدر شور مچایا جاتا ہے، حالانکہ حلالہ میں باضابطہ نکاح ہوتا ہے۔ یہ بلا نکاح قربت کا جواز ''بدکاری'' میں کیوں شمار نہیں ہوسکتی؟ شوہر کی اجازت کے سبب بدکاری ہرگز جائز نہیں ہوسکتی۔ بیواؤں سے دو بیٹا پیدا ہونے تک قربت ہوسکتی ہے۔ اس قربت کی تعداد کا کچھ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ایک بار میں ہی استقرار حمل ہوجائے۔ ہر دھرم میں قربت صرف اپنی بیوی سے جائز ہے۔ حلالہ پر شور مچانے والے ہنود کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہئے۔ اسلامی قوانین اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان قوانین میں کوئی خامی نہیں ہوسکتی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت انسانوں کو سمجھ میں نہ آسکے۔ ☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی صفحہ ۴۵) قصبہ مبارک پور کے باہر عظیم الشان دینی تعلیم گاہ بنام ''الجامعۃ الاشرفیہ'' حافظ ملت کی تعمیری خدمات کا ایک منہ بولتا شاہکار ہے۔ اشرفیہ کے نصاب تعلیم میں انگریزی زبان وادب کو حافظ ملت قدس سرہ العزیز نے ہی شامل فرمایا تھا۔ جب اہل مبارک پور نے ادارہ کا عہدۂ صدارت آپ کے سپرد کر دیا تو آپ نے ادارہ سے مشاہرہ لینا بند کر دیا، ان کے شہزادہ وجانشیں حضرت عزیز ملت دام ظلہ الاقدس بھی فی سبیل اللہ جامعہ کی خدمتوں میں مصروف ہیں۔

حافظ ملت قدس سرہ العزیز نے تعلیمی نصاب ونظام میں تجدید واصلاح کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، ان کے جانشینوں نے اسے آج تک برقرار رکھا ہے۔ حالات زمانہ کے پیش نظر تعلیمی نظام ونصاب کو خوب سے خوب تر بنانے کی فکر ان کے علمی وارثین میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ موقع بموقع جامعہ کے نصاب ونظام میں تجدید کاری ہوتی آئی ہے۔ ملک ہند میں الجامعۃ الاشرفیہ اپنے عمدہ نظام ونصاب کے سبب ایک آئیڈیل دانش کدہ بن چکا ہے۔ اگر کوئی آئیڈیل ادارہ کسی طریق کار کو اختیار کرتا ہے تو اس کے اثرات دیگر اداروں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

فارغین مدارس کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ حکومتی محکمہ جات میں شامل وداخل ہوسکیں۔ دینی علوم سے ناآشنا مسلمان پارلیامنٹ میں بھی اسلام مخالف بیان دے کر فخر محسوس کرتا ہے۔ قوم کی ہمہ جہت صالح قیادت کے لیے ہمیں ایک فوج تیار کرنی ہوگی۔ ہند کی عظیم دینی درس گاہوں میں قدیم نصاب ونظام کو برقرار رکھتے ہوئے مشترکہ تعلیم کا ایک مستقل شعبہ ہونا چاہئے، تاکہ ہر ایک اپنی پسند کی تعلیم حاصل کر سکے۔ کیا باغ فردوس اپنے دور افتادہ فرزند کی پکار پر توجہ دے سکے گا؟ وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی صفحہ ۵۴) مسلم پرسنل لا بورڈ نے سپریم کورٹ میں کہا تھا کہ یکبارگی تین طلاق کا ثبوت شریعت میں موجود ہے۔ اس سے طلاق ہوجائے گی، ہاں، یہ ایک غلط طریقہ ہے، لہٰذا سپریم کورٹ سزا مقرر کرسکتی ہے، لیکن سپریم کورٹ نے طلاق ثلاثہ کی قانونی حیثیت (Legality) کو ختم کر دیا۔ سپریم کورٹ کی نظر میں اب وہ ایک گالی کی طرح بھی نہیں، بلکہ ایک مہمل اور بے معنی لفظ کی طرح ہے۔ اب سزا کس بات کی؟ اٹل بہاری حکومت نے ۲۰۰۲ء میں پوٹا بنایا تھا۔ کانگریس حکومت نے ۲۰۰۴ء میں اسے منسوخ کر دیا۔ طلاق ثلاثہ بل کا حشر خدا معلوم۔

☆☆☆

باغ وبہار

مدارس اسلامیہ کے طلبا وطالبات اور اسکول وکالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق وتربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔اس کالم میں صرف مختصر مضامین{Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم ہوں۔مضمون نگار اپنا نام، ولدیت، سکونت، تعلیم گاہ اور درجہ و کلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔''باغ وبہار'' کے مضامین درج ذیل ای میل پر بھیجیں۔(ادارہ پیغام شریعت: دہلی)

tariqueanwer313@gmail.com

ٹاڈا، پوٹا، اب طلاق ثلاثہ

مصباح المصطفٰے بن کمال ملک بھنور (نوادہ: بہار) کلاس نہم: ہسوا ہائی اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

طلاق ثلاثہ بل 28: دسمبر ۲۰۱۷ء کو لوک سبھا میں پیش کیا گیا۔آل انڈیا مجلس اتحاد المسلمین کے صدر اسدالدین اویسی: رکن لوک سبھا نے قانونی خامیوں کے سبب اس بل میں ترمیم کا مطالبہ کیا۔مختلف پارٹیوں کے ممبران نے بھی اس بل میں ترمیم کا مطالبہ کیا اور اپنا بیان دیا، جسے گودی میڈیا نے چھپانے کی کوشش کی، اور ظاہر کیا گیا کہ صرف اویسی نے بل کی مخالفت کی ہے۔تین پارٹیوں کے لوک سبھا ممبران اس دن غیر حاضر رہے۔وہ تین پارٹیاں بیجو جنتا دل (BJD 20 MPs)، اے آئی اے ڈی ایم کے (AIADMK 37 MPs) اور ترنمول کانگریس پارٹی (TCP 33 MPs) ہیں۔ان پارٹیوں نے راجیہ سبھا میں علی الاعلان بل کو سلیکٹ کمیٹی بھیجنے کا مطالبہ کیا۔

کانگریس پارٹی نے لوک سبھا میں بل کی حمایت کے ساتھ اس بل کو اسٹینڈنگ کمیٹی (Standing Committee) میں بھیجنے کی مانگ کی، تاکہ اس بل پر قانونی اصولوں کے مطابق غور وفکر کیا جائے۔لوک سبھا میں مختلف پارٹیوں کے 22: مسلم ممبران ہیں۔ان میں سے صرف بیرسٹر اویسی نے اس بل کا کھلے عام دفاع کیا اور اس بل کو مسلم مخالف بل (Anty-Muslims Bill) قرار دیا، اور خواتین مخالف بل (Anty-women Bill) بھی ثابت کیا۔ایک مسلم ممبر پارلیامنٹ (بی جے پی ممبر) ایم جے اکبر نے اس بل کی موافقت میں ایک طویل بیان دیا۔مسٹر اویسی نے اسے ابن الوقت قرار دیا، اور اس قسم کے نہ جانے کتنے ابن الوقت پارلیامنٹ کے باہر موجود ہیں۔

لوک سبھا میں بی جے پی ممبران پارلیامنٹ کی اکثریت کے سبب یہ بل پاس ہوگیا۔اس دن کو آزادی ہند کے بعد ایک تاریخی دن قرار دیا گیا، کیونکہ آج علی الاعلان قانونی طور پر مسلم پرسنل لا ایکٹ: ۱۹۳۷ء کو کالعدم قرار دینے والا بل لوک سبھا سے پاس ہو چکا تھا۔راجیہ سبھا میں یہ بل تین دن پیش کیا گیا۔بدھ، جمعرات وجمعہ یعنی 3,4,5 جنوری ۲۰۱۸ء کو پیش ہوا۔کانگریس سمیت حزب مخالف کی تمام پارٹیوں نے اسے سلیکٹ کمیٹی (Select Committee) میں بھیجنے کا مطالبہ کیا اور سیشن ختم ہونے تک اسی مطالبہ پر قائم رہیں۔بی جے پی نے اسے راجیہ سبھا میں پاس کرانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن کامیابی نہ مل سکی، کیونکہ راجیہ سبھا میں بی جے پی کو ابھی اکثریت حاصل نہیں۔5: جنوری کو پارلیامنٹ کا سرمائی اجلاس (Winter session) ختم ہوگیا۔اب 19: جنوری ۲۰۱۸ء سے پارلیامنٹ اگلا اجلاس متوقع ہے۔بی جے پی حکومت دوبارہ اس بل کو پارلیامنٹ میں پیش کرتی ہے، یا اس پر آرڈی نینس (Ordinance) لاتی ہے۔یہ دیکھنا ہوگا۔

اگر یہ بل مسلمانوں کے حق میں ہے تو تمام انصاف پسند قانون دان اس بل کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ اس بل کی حمایت وہ لوگ کیوں کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے مخالف تصور کیے جاتے ہیں۔ جنہوں نے بی جے پی حکومت قائم ہونے کے بعد نعرہ لگایا تھا کہ ایک ہزار سال بعد ملک میں ہندو حکومت قائم ہوئی ہے۔ 22: لاکھ ہندو عورتیں بلا طلاق چھوڑ دی گئی ہیں، حکومت ان کی فکر کیوں نہیں کرتی؟ ملک بھر میں طلاق ثلاثہ سے متأثر خواتین کی تعداد صرف دو ہزار نو سو (2900) بتائی جاتی ہے۔ یہ مسلم آبادی کے تناسب سے ایک فی صد سے بہت ہی کم ہے۔ چھوٹے گروپ سے قبل بڑے گروپ کی بھلائی کے بارے میں سوچنا چاہئے تھا، جبکہ وہ عورتیں ان کے ہم مذہب بھی ہیں۔ وہ بائیس لاکھ عورتیں ادھر ادھر بھٹک رہی ہیں۔ وہ ودھوا آشرم میں رہتی ہیں۔ اپنے گھروں میں انہیں رہنا بھی نصیب نہیں۔ ہاں، مسلم مخالف بل پاس ہونے سے ہندو قوم خوش ہو جائے گی، اور بی جے پی کو لوک سبھا الیکشن ۲۰۱۹ء میں ہندو ووٹ بٹورنے کا اچھا موقع فراہم ہوگا۔

لوگوں میں یہ مشہور کیا جا رہا ہے کہ یہ بل مسلم عورتوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔ اگر حقوق کی حفاظت کرنی تھی تو سپریم کورٹ نے اپنے قانونی نکات کی بنیاد پر طلاق ثلاثہ کو کالعدم قرار دیدیا تھا تو اب ملکی پارلیامنٹ کے ذریعہ قوانین اسلامی کی روشنی میں طلاق کی صحیح صورت کو قانونی شکل دی جاتی، تاکہ یکبارگی تین طلاق سے لوگ پرہیز کرتے، اور مسلمانوں کو اسی طریقہ کی پابندی کی جانب ترغیب دی جاتی۔ مسلم عورتیں یکبارگی تین طلاق سے محفوظ ہو جاتیں۔ جب اسلام میں نکاح محض ایک معاشرتی معاہدہ (Civil Contract) ہے تو اس سول معاملہ کو ختم کرنا جرائم (Criminal Affairs) کے دائرہ میں نہیں لایا جا سکتا۔ ہندو مذہب میں شادی کا مطلب سات جنم کا ساتھ ہے۔

جن مسلم ممالک نے طلاق ثلاثہ پر پابندی لگا دی ہے، وہاں بھی طلاق ثلاثہ پر کوئی سزا نہیں ہے، بلکہ حکومتی کورٹ اس طلاق کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ جب سپریم کورٹ کے فیصلہ کے مطابق یکبارگی طلاق ثلاثہ واقع نہیں ہوگی تو کوئی جرم بھی نہیں ہوا۔ حسب سابق دونوں میاں بیوی رہ گئے، اب تین سال کی سزا کس جرم کے بدلے دی جا رہی ہے؟ اس بل کو خواتین مخالف اس لیے قرار دیا جا رہا ہے کہ جب شوہر جیل میں ہوگا تو خرچ بھی شوہر کو برداشت کرنا ہوگا، حکومت کچھ مدد نہیں کرے گی۔ شوہر جیل میں کیا کام کرے گا کہ اہل وعیال کی کفالت کر سکے گا؟ جب شوہر جیل میں ہوگا تو کیا شوہر کے گھر والے بیوی کو گھر میں رہنے دیں گے؟ کیا شوہر جیل سے واپس آ کر بیوی کو رکھنے راضی ہوگا؟ کیا اب وہ انتقام کے طور پر بیوی کو طلاق حسن وطلاق احسن دے کر اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر لے گا؟ اگر ساتھ رہا بھی تو کیا اس قید وبند کے سبب دونوں میں ہمیشہ نااتفاقی نہیں ہوگی؟ جب تین سال تک شوہر جیل میں ہو تو کیا بیوی کے برائی میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں ہے؟

اس قانون میں یہ بھی ہے کہ بیوی کے علاوہ کسی غیر نے بھی شکایت درج کرادی تو شوہر کو جیل جانا ہوگا۔ اس طرح کیا یہ بل مسلم خاندانوں کو توڑنے کا اہم ذریعہ نہیں بن جائے گا؟ یہ تین سالہ جیل بھی غیر ضمانتی (Non-bailable) ہوگا۔ اس طرح کوئی بھی کسی پر طلاق ثلاثہ کا الزام ڈال کر جیل میں بھیج سکتا ہے، اور اس خاندان کو تباہ کر سکتا ہے۔ مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے نام پر جیل میں ڈالا جاتا رہا۔ کوئی ثبوت فراہم نہ ہونے کے سبب کسی کو پانچ سال، کسی کو دس سال بعد جیل سے رہا کیا گیا۔ یہ رہائی نہیں تھی، بلکہ ایک طویل مدت تک جیل میں رکھ کر ان لوگوں کی زندگی برباد کر دی گئی۔ اب آسان نسخہ طلاق ثلاثہ کا لایا جا رہا ہے۔ کبھی ٹاڈا (TADa)، کبھی پوٹا (POTA)، اب طلاق ثلاثہ۔ جو نقاب زدہ عورتیں اس بل کی حمایت کرتی نظر آتی ہیں، ان میں بہت سی غیر مسلم عورتیں ہیں اور بعض دین اسلام سے منحرف تسلیمہ نسرین کی بہنیں ہیں۔ بعض اسلامی تعلیمات سے بیگانہ عورتیں ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اسلامی قانون کی مخالفت کر سکتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵۲ پر)

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat

Mnthly
Vol: 03 Issue February-2018

WWW.ALHANEEF.COM
FIRST EVER HANAFI WEBSITE IN THE ENGLISH LANGUAGE
DEDICATED FOR FATAWA

Visit Our Website
www,alhaneef.com
Director
MUFTI FAIZANUL MUSTAFA QADRI

Our Goals

1 To Create A Global Forum Of Hanifa Reserch Scholars To Develop Mutual Understanding Of Islamic Issues

2 To Provide A Learning Platform For Those Who Do Not Have Access To A Reliable Mufti

We Have A Team Of Expert Jurists To Solve Contemporary Issues In The Light Of Hanafi Jurisprudence

Main Resouces:

- Fatawa Razvia
- Fatawa Amjadia
- Bahare Shariat
- Fatawa Mustafvia
- Fatawa Faizurrasool
- Waqarul Fatawa Etc

For Your Questions Visit The Website
And Go To : Ask A Question

Owner,Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at M/s Ala Printing Press
3636 Katra Baig, Lal Kuan, Dehli-110006
Published from H.No.422, 2Nd Floor, Gali Sarotey wali,
Matia Mahal, Jamam Masjid. Dehli-110006